معراج النبی

علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

معراج النبی

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک جامع خطاب

ترتیب و تسوید:

(شیخ) جمیل الرحمٰن



مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

اس کتابچے کی اشاعت وطباعت کی ہر شخص کو کھلی اجازت ہے

نام کتاب ــــــــــ معراج النبی ﷺ
بار اوّل تا بار ششم (مارچ 1984ء تا اکتوبر 1999ء) ــــــــ 14,200
بار ہفتم (مارچ 2005ء) ــــــــ 3300
ناشر ــــــــ ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
مقام اشاعت ــــــــ 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: 03-5869501
مطبع ــــــــ شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت (اشاعت خاص) ــــــــ 20 روپے
(اشاعت عام) ــــــــ 12 روپے

ترتیب

○ عرض ناشر ۴
○ پیش لفظ ۵
○ واقعہ معراج کی حقیقت واہمیت ۷
○ سفر معراج کی غرض وغایت ۹
○ روایات معراج میں اختلاف کی حقیقت ۱۳
○ سفر معراج کی عقلی توجیہ ۱۵
○ آیہ اسراء کی تشریح وتوضیح ۱۷
◆ عبدیت ورسالت میں فرق مراتب ۱۸
◆ چند وضاحت طلب پہلو ۲۳
○ واقعہ معراج--- حدیث نبویؐ کے آئینے میں ۲۴
○ سورۃ النجم میں مشاہدات معراج کا ذکر ۲۹
◆ معراج اور رویت باری تعالیٰ ۳۲
◆ "ما زاغ البصر وما طغیٰ" کا مفہوم ۳۴
○ حدیث معراج کا تسلسل ۳۶
◆ امت کے لئے معراج کے تحفے ۳۸
○ مشرکین کا رد عمل ۴۰
○ ابوبکر صدیقؓ کی تصدیق ۴۲
○ واقعہ معراج سے متعلق احادیث اور آثار صحابہؓ ۴۳



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

زیرِ نظر کتابچے کا پہلا ایڈیشن مارچ ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تھا۔ جیسا کہ اس کتابچے کے "پیش لفظ" میں مذکور ہے' یہ فی الاصل "واقعہ معراج" کے موضوع پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک خطاب ہے جسے ہمارے قابلِ احترام بزرگ شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے مرتب کر کے اولاً ماہنامہ "میثاق" میں اور پھر کتابچے کی صورت میں شائع کیا۔ تاحال اس کتابچے کے چار ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ گزشتہ ایڈیشن کی طباعت کے موقع پر بھی اس ضرورت کا شدت کے ساتھ احساس ہوا تھا کہ اس کی کتابت از سرِ نو کرائی جائے' اس لئے کہ سابقہ کتابت اب دھندلی ہو کر تقریباً ناقابلِ استعمال ہو چکی تھی۔ کتابت کے ضمن میں اب چونکہ ہمیں کمپیوٹر کی سہولت حاصل ہے لہٰذا زیرِ نظر ایڈیشن ہم خوشنما کمپوز کمپوزنگ کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اس موقع پر ہمارے رفیقِ کار حافظ خالد محمود خضر نے کتابچے پر از سرِ نو بھرپور طور پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے مناسب Editing بھی کی ہے اور ذیلی سرخیوں کے اضافے سے اس کی افادیت میں بھی بجا طور پر اضافہ کیا ہے۔ مزید برآں کتابچے میں شامل احادیث کے متون اور حوالوں کے ضمن میں حدیث کی امہات کتب سے رجوع کیا گیا ہے اور اس معاملے میں سابقہ ایڈیشن میں جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی تھی اس کی تلافی کر دی گئی ہے۔

واضح رہے کہ اس بات کا پورا امکان موجود ہے کہ دروس و خطابات کو تحریری شکل میں مرتب کرتے وقت کسی بھی مرتب سے کسی علمی و فکری غلطی کا صدور ہو جائے اور کسی غلط فہمی کے باعث وہ کوئی بات غلط طور پر مقرر یا مدرس کی طرف منسوب کر دے۔ لہٰذا دورانِ مطالعہ کوئی بات اگر خلافِ واقعہ محسوس ہو تو اسے صاحبِ کتاب یعنی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ادارے کی جانب رجوع کیا جائے اور وضاحت طلب کی جائے۔ ممکن ہے مرتب کے سہو کے باعث کوئی غیر مناسب لفظ یا جملہ کتاب میں شامل ہو گیا ہو۔

(حافظ) عاکف سعید

ناظم نشر و اشاعت' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۹/ اکتوبر ۱۹۹۵ء

پیش لفظ

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہِ الکریم

یہ کتابچہ معراج النبی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک خطاب پر مشتمل ہے جو موصوف نے قریباً دو سال قبل ۲۷/ رجب المرجب کو فرمایا تھا۔ اس کو کیسٹ سے نقل کر کے معمولی حک و اضافہ کے بعد ماہنامہ میثاق لاہور کے مئی ۸۳ء کے شمارے میں شائع کیا گیا تھا۔ الحمدللہ والمنہ کہ اس خطاب نے قبول عام حاصل کیا اور عوام و خواص نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو ان کے طرز استدلال پر خراج تحسین پیش کیا۔

نام نہاد عقلیت پرستی کے اس دور میں یگانوں اور بیگانوں نے قرآن و حدیث میں وارد شدہ معجزات اور خرقِ عادت واقعات کی ایسی عقلی توجیہہ کرنے کی جسارت کی ہے جس سے نہ صرف یہ کہ قرآن و حدیث کی صریح نصوص کے بخیئے ادھیڑے گئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے "علٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ" ہونے کا تصور بھی مجروح ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ اس بات کو واضح کیا جائے کہ اس کارگاہِ عالم میں جو طبعی قوانین نافذ ہیں وہ از خود نافذ نہیں بلکہ ہر آن اور ہر لحظہ خالق و فاطرِ کائنات خود ان کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ صاحبِ اختیار ہے' جب چاہے ان قوانین طبیعیہ کو معطل فرما سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر دے اور مزید قرآن فہمی سے نوازے کہ انہوں نے اس خطاب میں اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جسدِ اقدس کے ساتھ ہی معراج کی سعادت عطا ہوئی تھی۔ ساتھ ہی عقلی دلائل سے بھی اس محیرالعقل واقعہ کے استبعاد کو دور کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے' جس کے متعلق کچھ تجدّد پسند دانشوروں نے غلط فہمیاں اور مغالطے پیش کر کے ریب و تشکیک کے کانٹے اذہان میں پیدا کر رکھے ہیں۔

توقع ہے کہ یہ مختصر کتابچہ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کا' ان شاء اللہ' ذریعہ بنے گا جو اپنے اور پرائے دونوں ہی ہماری موجودہ تعلیم یافتہ نسل میں پھیلانے کی مذموم کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

احقر: جمیل الرحمٰن

مارچ ۱۹۸۴ء

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا،
اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُo﴾ (الاسراء : ٨)



﴿مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰیo اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰیo
وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰیo عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰیo عِنْدَھَا
جَنَّۃُ الْمَاْوٰیo اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰیo مَا زَاغَ
الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیo لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰیo﴾

(النجم : ١١-١٨)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آج سے چودہ سو چھ (۱۴۰۶) برس قبل ۲۷/رجب کی ایک شب وہ محیر العقول واقعہ پیش آیا تھا جسے ہم "معراج" کے نام سے جانتے ہیں۔ معراج کے بارے میں کتبِ احادیث میں جو روایات ملتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عظیم واقعہ ہجرتِ مدینہ سے ڈیڑھ سال قبل پیش آیا جب کہ نبی اکرم ﷺ کی عمر شریف قریباً باون برس تھی۔

واقعۂ معراج کی حقیقت واہمیت

اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے! اس کی اہمیت کیا ہے! اس موضوع پر گفتگو کرنے کے ضمن میں سب سے پہلے ہمیں یہ معین کرنا ہوگا کہ اس واقعہ کے ہم تک پہنچنے کے ذرائع (Sources) کیا ہیں! ظاہر بات ہے کہ ہمارے لئے کسی بھی ضمن میں مرجع اول اور اولین بنیاد قرآن مجید ہے۔ قرآن حکیم میں واقعۂ معراج کا ذکر دو مقامات پر صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں نہ کسی اشارے 'کنائے' رمز یا ایماء کا انداز ہے اور نہ کوئی ابہام یا ایہام ہے' بلکہ صراحت کے ساتھ واضح الفاظ میں اس واقعے کا ذکر ہے۔ اس سفرِ مبارک کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ زمینی ہے یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک' اور دوسرا حصہ آسمانی ہے یعنی مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ چنانچہ قرآن مجید میں دو مقامات پر اس واقعہ کے دونوں حصوں کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں' جو پندرھویں پارے کی بھی پہلی آیت ہے' اس زمینی سفر کا ذکر ہے : ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا﴾ "پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے کو' شب کے ایک حصے میں' مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک"۔ ﴿الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ﴾ "جس کے ماحول (گرد و پیش) کو ہم نے مبارک بنایا"۔ ﴿لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا﴾ "تاکہ ہم دکھائیں اسے (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں" ﴿اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ۝﴾ "یقیناً سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا تو صرف وہ

(تبارک و تعالیٰ) ہے"۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا' یہ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ہے۔ نوٹ فرما لیں کہ اس سورۂ مبارکہ کا دوسرا نام سورۃ الاسراء بھی ہے' بلکہ عرب ممالک میں جو قرآن مجید طبع ہوتے ہیں ان میں اسے "سورۃ الاسرا" کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔

اس سفر مبارک کا جو آسمانی حصہ ہے' اس کا ذکر سورۃ النجم میں ہے۔ تو جیسا کہ میں نے عرض کیا' اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کی اطلاع خود قرآن سے ملتی ہے' جو ہمارے لئے مرجعِ اول ہے۔ اس حوالے سے یہ بات جان لیجئے کہ چونکہ اس واقعہ کی بنیاد صرف احادیث ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں بھی بصراحت اس کا ذکر ہے لہٰذا اس کا انکار کفر ہو گا' اگرچہ توجیہہ اور تاویل کے اعتبارات سے الفاظِ قرآنی میں جس حد تک گنجائش ہو اس حد تک اگر کوئی اختلاف ہو تو اسے کفر نہیں سمجھا جائے گا۔

اس واقعہ کے ضمن میں ہمارے لئے مرجعِ ثانی احادیثِ نبویہ ؐ ہیں۔ ہمارے دین کے یہ دو بنیادی ماخذ ہیں' قرآن و حدیث۔ انہی کو اصطلاحاً کتاب و سُنّت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ معروف بات ہے کہ احادیث میں درجہ بندی ہے۔ سَنَد کے اعتبار سے قوی ترین احادیث وہ ہیں جو صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ ان میں سے بھی وہ احادیث جو ان دونوں میں موجود ہوں یعنی جن کی صحت پر یہ دونوں امام متفق ہو گئے ہوں' وہ اپنی سند کے اعتبار سے قرآن مجید کے آس پاس پہنچ جاتی ہیں۔ اس وضاحت کے بعد یہ بات جان لیجئے کہ اگرچہ ایسی احادیث کی تعداد کثیر ہے جن میں مختلف تفاصیل مذکور ہیں' تاہم نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ کم از کم اٹھائیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ واقعہ مروی ہے۔

چونکہ ایک ہی روایت کئی کئی صحابہؓ سے مروی ہے اس اعتبار سے روایات کی تعداد تو اٹھائیس سے بھی بڑھ جائے گی لیکن ان صحابہ کی تعداد اٹھائیس ہے جن سے واقعۂ معراج کا ذکر تفصیلاً یا اجمالاً مروی ہے۔ پھر ان میں ایک بڑی مفصل روایت وہ بھی ہے جو متفق علیہ ہے۔ یعنی احادیث کے اس طبقے سے تعلق رکھتی ہے کہ جن کے بارے میں

شک و شبہ کی گنجائش بہت ہی کم رہ جاتی ہے' بلکہ صحیح تر بات یہ ہوگی کہ معدوم کے درجے میں آجاتی ہے۔ اس متفق علیہ حدیث میں جو تفاصیل آئی ہیں' انہیں ہمیں مِن و عَن ماننا ہوگا۔

سفرِ معراج کی غرض وغایت

اس تمہید کے بعد پہلے میں یہ عرض کروں گا کہ اس واقعہ کی نوعیت کیا ہے --- آیا یہ کوئی منفرد واقعہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کو پیش آیا ہے یا یہ نبوت و رسالت کے مستقل معاملات میں سے ایک معاملہ ہے اور مختلف انبیاء و رُسل کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا ہے! اگر پیش آیا ہے تو اس میں جو فرق و تفاوت ہے وہ آیا نوعیت کا ہے یا کیفیت کا ---؟ یہ بات جان لیجئے کہ مکاشفات اور مشاہدات تو نبوت کا جزوِ لاینفک ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء و رُسل اِس منصب اور خدمت پر مامور ہوتے ہیں کہ ان امورِ غیبی کی اطلاع دیں جن پر ایمان لانا لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات ہے' جو ذات و صفات کے اعتبارات سے اَحد ہے۔ پھر ملائکہ ہیں۔ اسی طرح جو آئندہ پیش آنے والے واقعات ہیں' جب تک وہ پیش نہ آجائیں وہ پردۂ غیب میں ہیں۔ یوم الآخرۃ' قیامت کا دن' ایک امرِ غیبی ہے۔ بعث بعد الموت' حشر و نشر' وزنِ اعمال' جزا و سزا' یہ سب امورِ غیبی ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر خود ذاتِ باری تعالیٰ ہے' جس کے متعلق یا یوں کہہ لیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ) غیب میں ہے --- یا یوں کہہ لیں کہ اُس ذاتِ عزّوجلّ اور ہمارے مابین غیب کا پردہ حائل ہے۔ یہ وہ چیزیں اور وہ امور ہیں جن پر ایمان لانا از بس ضروری ہے۔ ہدایت کا نقطۂ آغاز ہی یہ ہے کہ ان باتوں کو مانا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ البقرہ میں ہدایت کے لئے جو شرطِ اول بیان کی گئی ہے وہ یہی ایمان بالغیب ہے: ﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۔۔ ﴾ یہ شرطِ اول ہے۔ اب جو بلند مرتبت ہستیاں اس خدمت پر مامور ہوئی ہوں کہ وہ ان امورِ غیبی پر ایمان کی دعوت دیں' ظاہر ہے کہ انہیں تو ان امور پر بدرجۂ کمال و تمام ایمان و

یقین ہونا چاہئے۔ جب تک وہ ایمان و یقین ان کے اندر اپنے درجۂ کمال کو پہنچا ہوا نہیں ہوگا' وہ دوسروں تک اس ایمان بالغیب کو کیسے منتقل کریں گے!

اب یہ بھی جان لیجئے کہ ایمان و یقین کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک یقین وہ ہے جو فکر و نظر اور تعقل و تفکر کے نتیجے میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک یقین وہ ہے جو خود ذاتی مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بھی بلند تر ایک درجہ وہ ہے جو انسان کے ذاتی تجربے اور احساس پر مبنی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ان مدارج کے لئے تین اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں: علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین ــــ علم الیقین یہ ہے کہ آپ نے اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے استنباط کیا' استدلال کیا اور اس طرح کسی چیز کا علم آپ کو حاصل ہوا اور آپ کو یقین آگیا۔ اور عین الیقین یہ ہے کہ آپ نے کسی چیز کو دیکھا اور آپ نے اپنی حسِ بصارت پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر یقین کر لیا ـــــ اور حق الیقین کا درجہ ان دونوں سے بلند ہوگا۔ یہ یقین وہ ہوگا جو انسان کے اپنے ذاتی تجربے کا ایک جزو بن جائے۔ میں اسے ایک سادہ سی مثال سے واضح کروں گا۔ اگر آپ دیکھیں کہ کہیں دھواں ہے تو آپ اپنی عقل کے بل پر یہ استدلال کرتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہاں آگ ہے۔ اس لئے کہ آپ کو یہ کلیہ معلوم ہے کہ دھواں اور آگ لازم و ملزوم ہیں۔ آگ اگرچہ آپ نے نہیں دیکھی' آپ نے دھواں ہی دیکھا ہے' لیکن اس کو دیکھ کر آپ کو اپنے استنباط اور استدلال سے آگ کے وجود پر یقین آگیا۔ یہ علم الیقین ہے۔ اب آپ نے قدم بڑھایا۔ بھاگے دوڑے اور آپ وہاں پہنچے جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا اور آپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے آگ کا مشاہدہ کر لیا تو اب علم الیقین سے بلند تر درجہ آپ کو حاصل ہو گیا۔ یہی عین الیقین ہے۔ عربی کا مقولہ ہے کہ "لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃ" یعنی "کسی کے بتانے سے جو یقین پیدا ہوتا ہے وہ اس درجے کا نہیں ہو سکتا جو دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے"۔ فارسی میں اسی حقیقت کا اظہار اس مقولے کے ذریعے کیا جاتا ہے کہ "شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ" ـــــ لیکن ابھی یقین و معرفت کا ایک درجہ باقی ہے اور وہ در حقیقت آگ کی اصل حقیقت کا ادراک ہے۔ آپ نے آگ آنکھ سے دیکھ لی' لیکن اس وسوسے کا امکان

ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ آگ کی سی صورت ہو' حقیقی آگ نہ ہو۔ سورۃ النجم میں فرمایا گیا کہ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○﴾ "نظر نے جو دیکھا دل نے اس کو جھٹلایا نہیں "۔ اس میں اسی وسوسے کی طرف اشارہ ہے کہ کسی وقت انسان کسی شے کو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن یقین نہیں آتا کہ میں ٹھیک دیکھ رہا ہوں اور کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ انسان پکار اٹھتا ہے کہ "آنچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب"۔ اس وسوسے کا کلیتہً ازالہ اس وقت ہو جائے گا جب وہ آگ آپ کو چھو جائے یا آپ اس آگ کو خود چھو لیں۔ اب یقین ہو جائے گا کہ یہ واقعتاً آگ ہے' محض صورتِ آگ نہیں ہے بلکہ حقیقتِ آگ ہے۔ اس تجربے ہی سے آپ کو صحیح اندازہ ہو گا کہ آگ کہتے کسے ہیں! اگر کبھی انگارے نے آپ کے جسم کے کسی حصے کو چھوا نہ ہو اور آپ نے ساری عمر آگ صرف دیکھی ہو تو اس کی اصل حقیقت کا علم اور ادراک آپ کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہے وہ ذاتی تجربہ جس کی رسائی جب انسان کے اپنے احساس تک ہو جاتی ہے تو اس کو "حق الیقین" کہا جاتا ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ انبیاء و رُسل کو جو یقین دوسروں تک منتقل کرنا ہے اس کے پیش نظر ان کا اپنا یقین و ایمان اگر حق الیقین کے درجے تک نہ پہنچا ہو اور ان کے اپنے تجربے اور احساس کا جزو نہ بن چکا ہو تو مطلوب حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر یقین کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی کہ وہ مجسم ایمان و یقین بن جائیں کہ ان کی شخصیتوں سے یقین متعدی ہو رہا ہو' پھیل رہا ہو --- اس کے لئے ان کا تجربہ' ان کا معائنہ اور ان کا مشاہدہ اگر نہ ہو تو یقین کا وہ درجہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا کہ ان کی شخصیتوں سے یقین متعدی ہو جائے' لوگوں تک پہنچے۔ جیسے اگر آگ کی بھٹی ہو تو اس سے حرارت خود بخود نکلتی ہے اور دوسروں تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ہے اصل میں وہ سبب جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ عالمِ ملکوت کے مشاہدات انبیاء و رسل کو کراتا ہے۔ یہ مکاشفات کی شکل میں بھی ہوئے ہیں' یہ رؤیا کی شکل میں بھی ہوئے ہیں۔ یہ حالتِ نوم میں بھی ہوئے ہیں' حالتِ بیداری میں بھی ہوئے ہیں اور ان دونوں یعنی خواب و بیداری کی درمیانی کیفیت میں (بَيْنَ النَّوْم

وَالیَقظۃ) بھی ہوئے ہیں۔ اس میں کچھ چیزوں کو ممثّل کر کے بھی دکھایا گیا ہے۔ بعض حقائق کا براہ راست مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ جیسے جیسے مراتب ہیں ویسے ویسے ہی ان تجربات و مشاہدات کا معاملہ ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۷۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۝﴾ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے رہے "ملکوت السمٰوٰتِ والارض"۔ یعنی اس کائنات کی خفیہ حکومت کا جو انتظام و انصرام ہے' اس کے جو کارندے ہیں' اس کی جو سِول سروس ہے یعنی ملائکہ' جو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔ ملائکہ تو ہر جگہ موجود ہیں' ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہیں' کراماً کاتبین موجود ہیں لیکن وہ مخفی ہیں۔ وہ غیب میں ہیں یا ہم ان سے غیب میں ہیں۔ اس عالم کا ابراہیم علیہ السلام کو مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی اس خفیہ حکومت' اس غیبی حکومت کے رموز و اسرار اور معاملات دکھائے جاتے رہے ہیں --- اس آیت کا آخری ٹکڑا میری اس گفتگو کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ: ﴿وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ "تاکہ وہ (یعنی حضرت ابراہیمؑ) اصحابِ یقین میں سے بن جائے"۔ ایمان تو محض خبر کی بنیاد پر بھی ہے لیکن میں نے یقین کا جو بلند ترین درجہ عرض کیا ہے وہ مشاہدے اور ذاتی تجربے کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ اس بلند ترین درجے کا یقین انبیاء و رُسل کو دینا مقصود ہوتا ہے لہٰذا انہیں مشاہدات و تجربات کرائے جاتے ہیں۔

البتہ جیسے نبوت و رسالت کے سلسلے کی تکمیل نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر ہوئی ہے' اسی طرح ان مشاہدات کے بارے میں بھی چوٹی کا مشاہدہ اور ذاتی تجربات کے ضمن میں بھی بلند ترین تجربہ وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ہوا' جسے ہم معراج کے نام سے جانتے ہیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ واحد تجربہ نہیں ہے' آپؐ کو بے شمار تجربات ہوئے ہیں۔ آپؐ صلوٰۃ استسقاء پڑھا رہے ہیں اور جنت آپؐ کے سامنے لے آئی گئی اور بے اختیار آپؐ کا ہاتھ اٹھا اور آگے بڑھا تاکہ آپؐ جنت کے کسی درخت کا پھل یا میوہ توڑ لیں۔ یہ ہاتھ کا اٹھ

اور بڑھنا ایک غیر اختیاری عمل تھا۔ اس نوع کے عمل میں کسی ارادے کو دخل نہیں ہوتا۔ پھر جہنم سامنے لے آئی گئی اور آپؐ بے اختیار اس کی حرارت' اس کی گرمی' اس کی دہشت سے اچانک پیچھے ہٹے۔ یہ تمام تجربہ نماز میں ہو رہا ہے' عالمِ بیداری میں ہو رہا ہے۔ حضورؐ خلوت میں نہیں ہیں' مجمع میں ہیں' وہاں ہو رہا ہے۔ مختصراً یہ کہ ہم ان کیفیات کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے جو جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو ہوئے۔

روایاتِ معراج میں اختلاف کی حقیقت

آگے بڑھنے سے قبل واقعۂ معراج سے متعلق ایک ظاہری الجھن کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ امرِ واقعہ ہے کہ جہاں تک نفسِ واقعہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب مانتے ہیں کہ سیرت میں ایسا کوئی واقعہ ہوا تو ضرور ہے۔ البتہ اس کی تفصیلات کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں' جن میں بظاہر بہت اختلاف ہے۔ یعنی مجرد واقعۂ معراج تو متفق علیہ ہے' لیکن اس خاکے میں جو رنگ ہیں' وہ مختلف روایات میں جدا جدا ہیں۔ ان میں بھی ایک تو اس نوعیت کی چیزیں ہیں جن میں ہم آہنگی کی جا سکتی ہے اور وہ باہم Fit ہو جاتی ہیں۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک واقعہ آپ نے دیکھا اور وہی واقعہ کسی اور نے بھی دیکھا تو آپ اس کو جس انداز میں بیان کریں گے ہو سکتا ہے کہ دوسرا اس کو اس انداز سے نہیں بلکہ کسی اور انداز سے بیان کرے۔ یعنی آپ اس واقعہ کی ایک کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں اور شاید دوسرے صاحب اس کو اجمالی طور پر بیان کریں اور کسی دوسری کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں۔ ہر شخص کا ایک اپنا ذوق اور اپنا مزاج ہوتا ہے۔ اسی کے اعتبار سے واقعات کا بیان بھی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذوق کے اعتبار سے کوئی بات آپ کے نزدیک کم اہمیت رکھتی ہے تو اگرچہ آپ اسے سنیں گے یا دیکھیں گے بھی' لیکن وہ آپ کے حافظے میں نہیں رہے گی۔ ایک دوسری چیز کی طرف آپ کو زیادہ میلان ہے' اس کو آپ پوری گرفت میں لائیں گے' اسے Catch کریں گے اور محفوظ کر لیں گے۔ تو ایک ہی

واقعہ بیان کیا جا رہا ہے' اسے دو نے سنا' پانچ نے سنا' تو جب یہ حضرات اس کو بیان کریں گے تو تھوڑا تھوڑا فرق ہو جائے گا لیکن آپ اس فرق کو جوڑ کر ایک وحدت بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا روایات میں ایک اختلاف تو اس نوعیت کا ہے جس میں کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہیں یہ ہو گا کہ اس واقعہ کا کوئی درمیانی یا بعد کا حصہ کوئی شخص پہلے بیان کر دے گا اور اسے جب یاد آ جائے گا تو وہ پہلا حصہ بعد میں بیان کر دے گا۔ یہ تقدیم و تاخیر والی باتیں بھی بالکل سمجھ میں آنے والی ہیں۔ عقلِ انسانی ان کو ہم آہنگ (Reconcile) کر سکتی ہے۔

البتہ بعض باتیں ایسی ہیں جو ناقابلِ تطبیق (Irreconcilable) ہیں' وہ بالکل متضاد نوعیت کی ہیں۔ مثلاً کہیں تو یہ بیان کیا گیا کہ سفرِ معراج مقامِ حطیم سے شروع ہوا۔ کسی دوسری روایت میں بیان ہو رہا ہے کہ اس کا آغاز کسی گھر سے ہوا' حضور ﷺ کے اپنے گھر سے یا حضرت اُمِّ ہانیؓ کے گھر سے' جو آنحضرتؐ کی چچازاد بہن ہیں۔ کسی روایت کے آخر میں الفاظ ایسے آگئے ہیں کہ : ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ "پھر میں جاگ گیا"۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ سارا واقعہ عالمِ خواب اور نیند میں ہوا۔ اس لئے کہ "اِسْتَيْقَظْتُ" کے معنی کوئی اور نہیں ہو سکتے' لہٰذا تاویل ممکن نہیں۔ یہ جو اس نوعیت کی تضاد کی حامل روایات ہیں' جن کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم جوڑنا ممکن نہیں ہے' ایسی روایات کی ایک نہایت عمدہ تاویل بہت سے محققینِ امت کی جانب سے یہ کی گئی ہے کہ واقعۂ معراج بھی ایک بار نہیں ہوا' کئی بار ہوا ہے۔ اس طرح کوئی روایت بھی رد نہیں ہوتی۔ بعض محققین اس تاویل کو تسلیم نہیں کرتے کہ واقعۂ معراج بار بار ہوا ہے بلکہ وہ اپنی تحقیق کی بنیاد اس روایت کو بناتے ہیں جسے وہ زیادہ معتبر سمجھتے ہیں اور صرف اسی کو قبول کرتے ہیں' چنانچہ اسی کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور بقیہ روایات کو وہ رد کر دیتے ہیں۔ سلف سے یہ اختلاف چلا آ رہا ہے اور یہ آئندہ بھی رہے گا۔ اپنے ذاتی مطالعہ اور غور و فکر سے جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں' وہ میں آپ کے سامنے بیان کر دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو معراج کی سعادت کم از

کم دو مرتبہ حاصل ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ یہ واقعہ نبوت کے ابتدائی دور میں پیش آیا۔ یوں سمجھئے کہ یہ معراج نبوت کے سن دو یا تین میں ہوا یعنی ۴۲ یا ۴۳ سنِ ولادت میں۔ اور یہ معراج ہوا ہے حالتِ نوم میں۔ ایسی روایات اس معراج کے ساتھ جڑیں گی جن کے آخر میں مذکور ہے "ثُمَّ اسْتَیقَظتُ" یعنی "پھر میں جاگ گیا"۔ یہ جو تجربہ ہے اس کو نیند میں ایک روحانی تجربے' ایک مکاشفے یا خواب سے تعبیر کیا جائے گا۔ اور جو دوسرا واقعہ ہے' جو انتہائی مشہور و معروف ہے اور جس کو ہم "معراج" کے نام سے جانتے ہیں' یہ نبوت کے سن گیارہ کے اواخر یا سن بارہ کے اوائل میں ہوا ہے۔ گویا یہ آں حضور ﷺ کی عمر شریف کا ۵۲ واں سال ہے' یعنی ہجرت سے لگ بھگ دو سال قبل۔ یہ واقعہ در حقیقت ان تجربات کی' جو آنحضور ﷺ کو اُس وقت تک ہوئے تھے' تکمیل ہے اور یہ تجربہ ان تمام تجربات کا نقطۂ عروج ہے۔ اور یہ سفر ہرگز نیند میں نہیں ہوا۔ یہ صرف روحانی تجربہ نہیں ہے' یہ کوئی رؤیا یا خواب نہیں ہے' بلکہ یہ سفر ہے بِجَسَدِہٖ۔ نبیؐ اکرم ﷺ کے پورے جسدِ مبارک کے ساتھ معراج کا یہ پورے کا پورا سفر پیش آیا۔

سفرِ معراج کی عقلی توجیہ

اس ضمن میں اِس دور میں' جو عقلیت پرستی کا دور ہے اور جسے "18th Century Rationalism" کہا جاتا ہے' مغرب میں فکرِ انسانی کئی قلابازیاں کھا چکا ہے' لیکن مشرق کے کچھ مفکرین ہیں جو ابھی تک اٹھارھویں صدی ہی کے "Rationalism" کو بیٹھے چاٹ رہے ہیں۔ حالانکہ اٹھارھویں صدی کی وہ عقل پرستی مغرب میں ختم ہو چکی ہے' سائنس کے صغریٰ کبریٰ اور مقدمات و متعلقات (Premises) تبدیل ہو چکے ہیں' اصول و مبادی بدل چکے ہیں' لیکن علامہ اقبال کے اس مصرعے کے مصداق کہ "وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ' یہاں بدلتا نہیں زمانہ" ہمارے یہاں کچھ لوگ ہیں جو ابھی تک نیوٹونین فزکس (Newtonion Physics) کو مضبوطی

سے پکڑے بیٹھے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک معراج کا واقعہ محالات اور ناممکنات میں سے ہے۔ میں اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ اگر سرسید احمد خان مرحوم نے ٹھوکر کھائی تو وہ قابلِ رحم اور معذور ہیں' وہ آج سے سو سوا سو سال پہلے کے انسان ہیں۔ وہ جس سائنس کی عقل پرستی سے مرعوب تھے اس سائنس کے' جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا' مقدمات (premises) بدل گئے۔ لیکن تعجب اور حیرت تو ان لوگوں کی حالت پر ہوتی ہے جو سرسید کے فکر پر آج بھی اپنی دکانیں چمکا رہے ہیں۔ یہ مقلّدِ محض ہیں۔ ان کے پاس تو درحقیقت عقلِ عام نام کی شے بھی نہیں ہے کہ ان کو اندازہ ہو کہ ہم کس دور میں سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی عقلیت پرستی کی بات کر رہے ہیں۔

یہ آئن سٹائن کی فزکس کا دور ہے۔ ڈیڑھ دو سو سال پہلے کی فزکس کے مقدمات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب matter (مادہ) حتمی' قطعی اور ناقابلِ تردید اور مستحکم نہیں رہا۔ اب سائنس یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ نظری اعتبار سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی مادی جسم نور کی رفتار کے ساتھ حرکت کرے گا تو اس کے لئے وقت نہیں گزرے گا۔ حساب نے یہ ثابت کر دیا ہے' اگرچہ ابھی ہم اس کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ سب سے زیادہ رفتاریں انسان کے سامنے دو تھیں : ایک آواز کی رفتار اور دوسری روشنی کی رفتار۔ آواز کی رفتار سے تو انسان آگے گزر گیا ہے۔ پہلے بندوق کی گولی آواز سے تیز جاتی تھی۔ گولی پہلے لگتی تھی' آواز بعد میں آتی تھی۔ لیکن اب تو سپرسانک جیٹس ہیں۔ آواز سے کہیں زیادہ ان کی اپنی رفتار ہے۔ اب صرف ایک رفتار رہ گئی ہے اور وہ ہے نور یا روشنی کی رفتار۔ اگرچہ ایک مادی جسم کے لئے اس رفتار تک پہنچنا یا اس سے تیز سفر کرنا عموماً ناممکن قرار دیا جاتا ہے' تاہم طبیعیات کے حلقوں میں یہ امور اب اس قدر محال نہیں سمجھے جاتے جتنے یہ ایک صدی پہلے تھے۔ صرف فرق ہے انسانی قدرت اور اللہ کی قدرت کا جس کی طرف اشارہ کر کے بات شروع کی گئی کہ ﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا ﴾ "پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔"

آیۂ اِسراء کی تشریح و توضیح

آیتِ زیرِ مطالعہ میں پہلی قابلِ توجہ بات لفظ "سبحان" ہے۔ یعنی جو ہستی اس فعل (اسراء) کی فاعلِ حقیقی ہے وہ "سُبّوح" ذات ہے۔ اگر یہ بات کسی انسان کی طرف منسوب ہوتی تو بات اور تھی۔ اگر یہ فعل حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوتا کہ حضورؐ خود تشریف لے گئے تو اور بات تھی۔ لیکن وہاں تو صورت بالفعل یہ تھی : ع "کہ میں آیا نہیں 'لایا گیا ہوں"..... حضورؐ خود نہیں گئے' لے جائے گئے تھے۔ اور لے جانے والی ذات کون ہے؟ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ.....﴾ --- جو پاک ہے ہر عیب سے' ہر نقص سے' ہر ضُعف سے' ہر کوتاہی سے' ہر درماندگی سے۔ اور وہ ذات سُبّوح ہے' منزّہ ہے' ارفع ہے' اعلیٰ ہے' بالاترین ہے۔ لہٰذا اس کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں کہ وہ اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جائے اور واپس لے آئے اور مسجد حرام میں پہنچا دے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کی مراجعت پر وضو کا پانی ابھی بہہ رہا تھا اور حضورؐ کے مکان کے دروازے کی کنڈی ابھی ہل رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ ابھی وقت نہیں گزرا [1] اور یہ چیز' جیسا کہ میں نے عرض کیا' آج کا جو ذہن ہے اس کی رو سے بھی ناقابلِ قیاس اور ناقابلِ یقین نہیں رہی۔

---

[1] اس موقع پر اس عاجز کو مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمتہ اللہ علیہ کی "معراج" کے موضوع پر کی گئی ایک تقریر کا وہ حصہ اچانک یاد آگیا جو اسی مسئلہ سے متعلق تھا۔ یہ تقریر اس عاجز نے نوجوانی کے دور میں سنی تھی۔ ایک مسجد میں تقریر تھی۔ اس زمانے میں عموماً وقت بتانے والے وہ گھنٹے ہوا کرتے تھے جو چابی اور pendulum (لنگر) سے چلتے تھے۔ مولانا مرحوم جب تقریر میں اس موضوع پر آئے تو انہوں نے ایک بڑی پیاری مثال سے اس مسئلہ کو سمجھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ "آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس گھنٹہ میں چابی بھری ہوئی ہے لیکن یہ گھنٹہ پینڈولم کے رقص کی بدولت چل رہا ہے اور وقت بتا رہا ہے۔ اِس وقت اس میں گیارہ بج رہے ہیں۔ اب اگر میں اس کو روک دوں تو یہ گیارہ بجے کے وقت پر رک جائے گا۔ بعد ازاں ایک یا دو دن یا چند ہفتوں یا چند مہینوں کے ←

دوسری قابلِ توجہ بات ہے لفظِ "عبد" ---- ایک اس پہلو سے کہ لفظ عبد کا اِطلاق صرف روح پر نہیں' بلکہ روح اور جسد دونوں پر ہو گا۔ ہم عبد ہیں' صرف ہماری روح کو عبد نہیں کہا جائے گا۔ ہم اپنی روح کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تو روحِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کو کیا سمجھ سکیں گے! بلکہ جان لیجئے کہ عبد کا اطلاق اکثر و بیشتر تو جسد پر ہو گا۔ اس صراحت سے یہ اضافی بات معلوم ہوئی کہ صرف روحِ محمد ﷺ نہیں لے جائی گئی بلکہ بنفسِ نفیس حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ لے جائے گئے۔ اور "محمد ﷺ" کا اطلاق روحِ محمدیؐ اور آپؐ کے جسدِ شریف دونوں کے مجموعے پر ہو گا' صرف روح پر نہیں ہو گا۔

<u>عبدیت و رسالت میں فرقِ مراتب</u> : تیسری بات جو بہت قابلِ لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو مقامِ عروج ہے' جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہو رہا ہے' اس

← بعد اس پینڈولم کو حرکت دی جائے تو یہ ٹھیک گیارہ بجے سے' جہاں اسے روکا گیا تھا' حرکت میں آجائے گا"۔ مولانا نے یہ مثال دے کر آگے فرمایا کہ "ہم جس اللہ کو مانتے ہیں وہ "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیر" ہے اور اس کائنات کے رواں دواں رہنے میں ہر لحظہ اور ہر آن اسی کا حکم کار فرما ہے "لَہُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ"۔ اب جبکہ اس نے اپنے بندے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو معراج عطا فرمایا تو اس نے کائنات کو معطل (suspend) ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہر چیز کی حرکت اسی جگہ رک گئی۔ بعدہٗ اللہ تعالیٰ سبحانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا' جہاں آپؐ کی امامت میں تمام انبیاء و رسل نے نماز پڑھی جو گویا علامت تھی اس بات کی کہ آپؐ سید الانبیاء و رسل ہیں۔ اس کے بعد آپؐ حضرت جبرائیلؑ کی معیت میں یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں پر اور پھر سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے۔ آپؐ کو جنت اور دوزخ کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد حضورؐ کو واپس اپنے مستقر پر بھیج دیا گیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے کائنات پھر رواں دواں ہو گئی۔ چنانچہ جو چیز جس مقام پر روک دی گئی تھی' اسی جگہ اس نے حرکت شروع کر دی"۔ مولانا نے فرمایا کہ "یہ ایک عقلی توجیہ ہے اس بات کی کہ حضورؐ کی واپسی پر کنڈی ہل رہی تھی' وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور بستر میں حرارت موجود تھی"۔ (ج-ر)

میں حضور ﷺ کی دو نسبتوں میں سے جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے' وہ نسبتِ رسالت نہیں ہے' بلکہ نسبتِ عبدیت ہے۔ ویسے بھی عام طور پر قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خصوصی اور شفقتِ خصوصی کا اظہار ہوتا ہے' وہاں آپ ﷺ کی نسبتِ عبدیت کا ذکر ملتا ہے جیسے ہم نے یہاں دیکھا' یا جیسے اگلی سورت الکہف میں ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ اور جیسے سورۃ الفرقان میں ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًاۙ﴾ اسی طریقے سے سورۃ النجم میں ہے: ﴿فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰیؕ﴾ اسی طرح یہاں ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾

یہاں یہ نکتہ جان لیجئے کہ نسبتِ عبدیت بالاتر ہے نسبتِ رسالت سے ---- اور اگر اسے صوفیاء کی اصطلاح سے سمجھیں تو وہ یہ ہے کہ نسبتِ عبدیت ایک عروجی نسبت ہے' جبکہ نسبتِ رسالت ایک نزولی نسبت ہے۔ اگر آپ اس امر کو ذہن میں رکھیں گے تو بات آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پہلی وحی ہوئی یا آپؑ اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ یا مکالمہ سے جو مشرف ہوئے تو آپ کوہِ طور پر تھے' بلند مقام پر تھے۔ اور اس سے اعلیٰ مقام کیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ گفتگو ہو رہی ہے' درمیان میں کوئی واسطہ حائل نہیں ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا﴾ "اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام فرمایا جیسے کہ کلام کیا جاتا ہے"۔ یہاں موسیٰؑ کیا ہیں؟ عبد ہیں! اور جب رسالت کا حکم ملا تو فرمایا گیا: ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ "جاؤ فرعون کی طرف' بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے"۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے اتریں گے تو فرعون کی طرف جائیں گے۔ کسی کے پاس سے کوئی جاتا ہے تو اس کی طرف پیٹھ کر کے جاتا ہے' جبکہ اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے حضور میں ہے' مواجہہ کر رہا ہے' Face to Face ہے۔ تو غور کیجئے کہ کونسی نسبت بالاتر ہوئی! ظاہر ہے کہ نسبتِ عبدیت' جس میں رخ اللہ کی طرف ہوتا

ہے۔ جبکہ رسالت ایک فرضِ منصبی ہے کہ جاؤ ادا کرو۔ اس کا رخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے۔ مولانا رومؒ نے اس کو ایک تمثیل کے پیرائے میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اصل میں ان حقائق کو جاننے والے یہ صوفیاء ہی ہیں' یہ نہ فقہاء کا دائرہ ہے نہ محدثین کی دلچسپی کا میدان۔ اس لئے کہ ہر ایک کے اپنے اپنے دائرے ہیں اور ان دائروں میں سب نے اپنے اپنے کام کئے ہیں۔ یہ تمام اصحاب ہمارے محسن ہیں' لیکن ہر طبقے کا اپنا اپنا ذوق اور اپنا اپنا میدان (Field) ہے۔ چنانچہ عبدیت و رسالت میں فرقِ مراتب ہمارے صوفیاء نے قائم کیا ہے۔ مولانا رومؒ نے اس کے لئے بارش کی مثال دی ہے۔ ہماری دنیا میں بارش کا جو نظام چل رہا ہے وہ یہ ہے کہ سمندر سے بخارات اٹھ رہے ہیں۔ یہ عروج ہے۔ بخارات نہایت لطیف حالت میں ہیں' نہایت پاک و صاف ہیں۔ اس عملِ تبخیر کے ذریعے تطہیر ہو رہی ہے۔ پانی کو بھاپ بنایا جا رہا ہے۔ اس میں ظاہر ہے کثافت تو ساتھ نہیں جائے گی۔ پانی انتہائی لطیف اور پاک و صاف صورت میں اوپر جا رہا ہے۔ اوپر جا کر ان بخارات نے بادلوں کی شکل اختیار کر لی۔ ہواؤں کے دوش پر یہ بادل فضا میں تیرتے ہیں۔ پھر بارش بن کر وہی پانی زمین پر نازل ہو رہا ہے۔ اب اس نزولِ بارش سے کیا ہو گا! پہلے وہ پانی فضا کو دھوئے گا۔ اس عمل میں فضا کی کچھ نہ کچھ کثافت برستے پانی میں شامل ہو جائے گی۔ پھر وہ بارش زمین تک پہنچے گی اور زمین کو دھوئے گی۔ اس مرحلے پر کچھ مزید کثافتیں اس میں شامل ہو جائیں گی ——— یہ پانی ندیوں' نالوں اور دریاؤں سے ہوتا ہوا پھر سمندر میں پہنچے گا۔ اب وہ ساری کثافتیں سمندر میں رہ جائیں گی اور پھر وہی پانی لطیف اور پاک و صاف ہو کر بخارات کی صورت میں آسمان کی طرف اٹھ جائے گا۔ یہ عروج ہے اور وہ نزول ہے۔ نزول سے فضا اور زمین کی صفائی ہو رہی ہے جبکہ عروج میں پانی کی اپنی صفائی ہوتی ہے۔

عروج و نزول کا یہی سائیکل عبدیت و رسالت کے مابین چلتا ہے۔ رات کو اللہ کا بندہ اس کے حضور میں کھڑا ہے۔ یہ کس کی صفائی ہے! اپنی --- کس چیز سے صفائی! یہ میں بعد عرض کروں گا۔ اس کو کہیں اپنی کثافتوں پر قیاس نہ کر لیجئے گا۔ وہ کثافتیں ان ہستیوں کے

کہیں آس پاس بھی نہیں ہوتیں۔ ع "گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی" لیکن دن کے لئے کیا حکم ہے! اب نزول کا مرحلہ ہے۔ جاؤ لوگوں کی طرف' انہیں اللہ کا پیغام پہنچاؤ' ان کو اللہ کے راستے کی طرف پکارو۔ یہ کام منصبِ رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔ مکہ کے مشرکانہ ماحول میں نبی اکرم ﷺ توحید کی دعوت پہنچا رہے ہیں۔ مجمعوں میں قرآن پیش فرما رہے ہیں' گھروں پر دستک دے رہے ہیں' دربدر تشریف لے جا رہے ہیں۔ لیکن ہو کیا رہا ہے؟ یہی کہ کسی نے استہزا اور تمسخر کیا' کسی نے گالی دے دی' کسی نے شاعر کہا' کسی نے مجنون و دیوانہ کہا تو کسی نے ساحر اور جادوگر کہہ دیا' کسی نے کاہن کہہ دیا۔ ان باتوں سے قلبِ محمد ﷺ میں کچھ کدورت پیدا ہوتی ہوگی یا نہیں؟۔ آپ ؐ کی طبعِ مبارک کو رنج پہنچتا ہوگا یا نہیں؟ یہ اثرات بالکل مترتب نہ ہوں' یہ ناممکن ہے۔ اسی لئے تو قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے حضور ﷺ کو تسلی دی جاتی رہی ہے' جیسے فرمایا گیا: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ﴾ "ہمیں بخوبی علم ہے کہ آپ ؐ کی طبیعت پر ان کی باتوں سے تکدر پیدا ہوتا ہے' آپ ؐ ملول اور غمگین ہوتے ہیں"۔ اور: ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○﴾ "ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں (یعنی قرآن) آپ (اے محمد ﷺ) اپنے رب کے فضل سے ہرگز مجنون نہیں ہیں"۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کو ایک طرف تسلی دی جا رہی ہے۔ اور دوسری طرف جو تکدر آپ ؐ کے دل پر آگیا ہے اسے دور کرنے کے لئے حکم ہو رہا ہے کہ راتوں کو کھڑا رہا کیجئے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ○ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ○ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ (المزمل: ۱-۵)

"اے لحاف اوڑھ کر لیٹنے والے! آپ رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کریں مگر کم۔ آپ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرلیں یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دیں۔ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر (حالتِ قیام میں) پڑھا کریں۔ ہم آپ پر

ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں"

اب یہ عروجی کیفیت ہے' یہ نسبتِ عبدیت ہے کہ "عَبْدُہٗ" یعنی محمد ﷺ 'اس (اللہ تعالیٰ) کا بندۂ خاص' اس کے حضور میں راتوں کو کھڑا ہے' اللہ تعالیٰ سے لو لگی ہوئی ہے اور اپنے رب' اپنے مولا' اور اپنے حامی و ناصر کے حضور میں مناجات ہو رہی ہے۔ دن میں نزولی کیفیت ہے کہ لوگوں کے اذہان و قلوب کو نورِ توحید سے منور کرنے کی سعی ہو رہی ہے' ماحول کو صاف کرنے کی جدوجہد ہو رہی ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے سورۃ المزمل کی آیات ایک تا دس میں' جن میں سے پہلی پانچ آیات اور ان کا ترجمہ ابھی آپ نے ملاحظہ کیا۔ اب اگلی چند آیات اور ان کا ترجمہ بھی دیکھ لیجئے تاکہ بات مکمل ہو جائے۔ فرمایا :

﴿ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ○ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ○ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ○ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ○ ﴾

(المزمل : ٦ تا ١٠)

"(اے نبی) درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ بلاشبہ آپؐ کے لئے دن میں (تبلیغ کی) بڑی مصروفیات ہیں (بڑی محنت اور مشقت ہے' لیکن اس میں بھی) اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہئے۔ وہ (اللہ) مشرق و مغرب کا مالک ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' لہٰذا اسی کو اپنا پشت پناہ بنایئے (اسی پر بھروسہ کیجئے) اور (اے نبی آپؐ کی دعوت پر) لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں ان پر صبر کیجئے اور ان سے خوش اسلوبی کے ساتھ کنارہ کش ہو جایئے"۔

طنز و استہزا اور طعن و تشنیع کے گھاؤ بڑے کاری ہوتے ہیں۔ ان کو جھیلنا آسان نہیں۔ اس سے طبیعتِ مبارک پر جو تکدر آتا تھا اس کا ازالہ اس وقت ہوتا تھا جب "عبدہ" نسبتِ عبدیت کے اعتبار سے رات کی تنہائیوں میں اپنے رب کے حضور کھڑا

ہوتا تھا اور حالتِ عروج کی کیفیات سے بہرہ مند ہوتا تھا۔ تو یہاں لفظ "عبد" کے حوالے سے ان حقائق کو ذہن نشین کر لیجئے۔

چند وضاحت طلب پہلو : زیر نظر آیت کے اس حصے ﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا ﴾ میں دو مزید الفاظ وضاحت طلب ہیں' ایک "اَسۡرٰی" اور دوسرا "لَیۡلًا"۔ عربی میں "اسراء" کے معنی ہیں راتوں رات لے جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۵۲ میں یہی لفظ آیا ہے : ﴿ وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴾ "اور ہم نے موسیٰ" کو وحی بھیجی کہ (اے موسیٰ) راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ' تمہارا پیچھا کیا جائے گا"۔ تو حضور" کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے : ﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ ﴾ --- اس کے بعد "لَیۡلًا" کیوں آیا' جبکہ اَسۡرٰی میں "راتوں رات" کا مفہوم و معنی شامل ہیں؟ یہ اس لئے کہ سفرِ معراج میں پوری رات نہیں لگی تھی' بلکہ رات کا ایک نہایت قلیل' نہایت مختصر حصہ صَرف ہوا تھا۔ اسی لئے "لَیۡلًا" کا ترجمہ "رات کا ایک حصہ" کیا جاتا ہے : ﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴾ "پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے کو' شب کے ایک حصے میں' مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک' جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے' تاکہ ہم (اپنے) اس (بندے) کو اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں۔ یقیناً سب کچھ سننے (اور) دیکھنے والا تو وہی (اللہ تعالیٰ) ہے"۔

اب دوبارہ ترجمے سے پوری بات آپ کے سامنے بالکل واضح ہو کر آگئی ہو گی۔ اب دو باتیں وضاحت طلب رہ گئیں' ایک تو یہ کہ کونسی نشانیاں حضور" کو دکھائی گئیں' وہ میں آپ کو آگے چل کر احادیث کے حوالے سے بتاؤں گا۔ اس لئے کہ ان کا ذکر احادیث میں بصراحت موجود ہے۔ دوسرے اس آیت کا آخری ٹکڑا ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴾ ہے یعنی "سب کچھ سننے والا' سب کچھ دیکھنے والا تو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔" یہ دراصل اس کے علمِ کامل کی شرح ہے۔ یہاں حصر کا اسلوب ہے۔ یعنی اس کے سوا یہ

وصف کسی اور میں ہے ہی نہیں' چاہے وہ ملائکہ ہوں' انبیاء و رُسل ہوں یا اولیاء ہوں۔ البتہ یہ اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے علم میں سے جتنا جس کو چاہے عطا فرمادے' اپنی سماعت میں سے جتنا حصہ چاہے کسی کو مرحمت فرمادے' اپنی بصارت میں سے جتنا چاہے کسی پر فیضان فرمادے۔ یہ اسی کو اختیار ہے : ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ اور وہ "اللہ کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے ماسوائے اس کے جو وہ خود چاہے"۔ اور ﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ "(اے اللہ) تو پاک ہے اور ہمیں کوئی علم حاصل نہیں ہے مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھایا"۔ یہ ملائکہ کا قول نقل ہوا۔ پس فرشتوں کے علم کی نوعیت بھی یہی ہے اور انبیاء و رسل کے علم کی کیفیت بھی یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا' اتنا ہی ان کو علم ہے۔ باقی سب کچھ سننے والا' سب کچھ دیکھنے والا' سب کچھ جاننے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ سبحانہ ہی ہے۔

واقعۂ معراج۔ حدیثِ نبویؐ کے آئینے میں

اب میں چاہتا ہوں کہ پورا واقعہ معراج آپ کو اس حدیث کے حوالے سے سنا دوں جو متفق علیہ ہے۔ میں خود بیان کروں گا تو کچھ نہ کچھ کمی بیشی کا احتمال ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ واقعۂ معراج اپنی پوری تفاصیل کے ساتھ حدیث کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے اور حدیث بھی دوسرے یا تیسرے طبقے کی کتابوں کی نہیں ہے' بلکہ متفق علیہ ہے' جس کا پایہ' جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' روایت اور سند کے اعتبار سے تقریباً قرآن مجید کے برابر ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ انؓ کے بارے میں ایک بڑی اہم بات نوٹ کر لیجئے کہ یہ انصاری صحابی ہیں اور ان صحابہؓ میں سے ہیں جنہیں حدیث بیان کرنے کا زیادہ شوق نہ رہا ہو۔ غالباً یہ واحد حدیث ہے جو ان سے مروی ہے۔ انؓ کو اس حدیث سے نہایت شغف تھا' انہوں نے اس کو نہایت محبت کے ساتھ محفوظ کیا تھا اور اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کی تھی۔ چنانچہ بعض دوسرے صحابہ کرامؓ جنہوں نے خود نبی اکرم ﷺ سے یہ واقعہ سنا ہوا تھا' جیسے حضرت

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ' وہ بھی ان کی خدمت میں خاص طور پر حاضر ہو کر اس روایت کو سنتے تھے۔ اس لئے کہ اس روایت میں ان ؓ کا درجہ بہت بلند ہے۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں "عن قتادة عن انس بن مالك عن مالك بن صعصعة" کی اسناد سے روایت کرتے ہیں۔ مسلم شریف میں یہ روایت حضرت انس بن مالک ؓ سے براہ راست مروی بھی موجود ہے۔ ہم اس روایت کا لفظ بہ لفظ مطالعہ کرتے ہیں۔ اس سے ان شاء اللہ العزیز اس ضمن میں بہت سے اشکالات دور ہو جائیں گے۔ حدیث یہ ہے :

عن مالك بن صعصعة ﷺ انّ النبىّ صلىّ اللّٰه عليه وسلم حدثهم عن لَيلةِ اُسرِىَ به "حضرت مالک بن صعصعہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیں وہ حالات و واقعات سنائے جو اس رات پیش آئے' جس رات کو آپ ؐ کو لے جایا گیا" یعنی واقعۂ معراج بیان فرمایا۔ اب دیکھئے' یہ مرفوع حدیث ہو گئی۔ آگے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((بَينما اَنا فِى الْحَطيمِ -- ورُبّما قال فِى الحِجْرِ -- مُضْطَجِعًا اِذْ اَتانى آتٍ)) "اس اثنا میں کہ میں حطیم میں تھا۔ یا شاید حجر کا لفظ ارشاد فرمایا۔ (حجر بھی حطیم کے ایک حصے کو کہتے ہیں) میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آنے والا آیا"۔ یہ آنے والے کون ہیں؟ یہ حضرت جبرائیل ؑ ہیں۔ یہ آگے واضح ہو جائے گا۔ ((فَشَقَّ مابين هٰذِه الى هٰذِه [مِن ثُغْرةِ نَحرِه الى شِعْرتِه] فَاسْتَخْرَجَ قَلبِى)) "حضور ؐ نے اشارہ فرمایا کہ "اس نے یہاں سے وہاں تک میرا سینہ چاک کیا۔" یعنی حلق کے گڑھے سے لے کر ناف تک۔ پھر میرا دل نکالا"۔ ((ثُمّ اُتِيتُ بِطَسْتٍ مِن ذَهَبٍ مَمْلُوءَةٍ ايمانًا فغُسِلَ قلبِى)) "پھر ایک سنہری طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا' پھر اس سے میرا دل دھویا گیا"۔ وفى رواية : ثم غُسِلَ البطنُ بِمَاءِ زمزمَ ثم مُلِئَ ايمانًا وحِكمةً "اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اسی طرح پیٹ کو بھی زمزم سے دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیئے گئے"۔ ((ثمّ اُتِيتُ

بِدابَّۃٍ دُوْنَ البَغلِ فوقَ الحِمارِ اَبْیَضَ یقالُ لہُ البُراقُ)) "پھر میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا' وہ بالکل سفید تھا' اس کا نام بُراق ہے"۔ ((یضَعُ خَطْوَہٗ عِندَ اَقصٰی طَرْفِہٖ)) "اس کا ہر قدم' اس کی حدِ نگاہ تک پڑتا تھا"۔ ((فَحُمِلْتُ عَلیہ)) "پھر مجھے اس پر سوار کیا گیا"۔ ((ثُمَّ انطَلَقَ بِی جِبریلُ)) "پھر جبرائیل میرے ساتھ چلے"۔ اب یہاں نام کے ساتھ صراحت ہو گئی کہ آنے والے حضرت جبرائیل تھے۔ ((حتّٰی اتَی السَّماءَ الدُّنیا)) "یہاں تک کہ وہ آسمانِ دنیا تک پہنچ گئے"۔ یعنی یہ پہلا آسمان جو ہمیں نظر آتا ہے۔

اس روایت میں سفرِ معراج کے زمینی حصہ کا ذکر نہیں ہوا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور دوسری روایات جوڑ کر اس خلاء کو پر کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے سفرِ معراج کا پہلا حصہ زمینی سفر پر مشتمل ہے۔ یعنی پہلے آپ مسجدِ اقصیٰ تک پہنچے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے اپنی سواری براق کو اس جگہ باندھا جہاں انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں بہت سے لوگ نماز کے لئے جمع تھے۔ میں منتظر تھا کہ کون امامت کرائے گا کہ حضرت جبرائیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کیا' میں نے نماز پڑھائی اور پھر حضرت جبرائیلؑ نے مجھے بتایا کہ آپؐ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے وہ تمام انبیاء ہیں جو دنیا میں مبعوث ہوئے اور آج آپؐ نے ان سب کی امامت کی۔" یہ علامت ہے نبی اکرم ﷺ کے سید الانبیاء والمرسلین ہونے کی۔ پھر یہاں سے آسمانی سفر کا آغاز ہوا۔

اب پھر اسی روایت کا سلسلہ جوڑتے ہیں جو بیان ہو رہی تھی۔ حضورؐ حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ پہلے آسمان پر پہنچے تو حضرت جبرائیلؑ نے دستک دی۔ ((فَاسْتَفْتَحَ)) "پس اس نے دروازہ کھلوانا چاہا"۔ ((قِیلَ : مَنْ ھٰذا؟ قالَ : جِبریلُ)) "پوچھا گیا : کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا : جبرائیل"۔ ((قِیلَ : وَمَنْ مَعَکَ؟)) "پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟"۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھئے گا کہ اس امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ آسمانِ اول کے دروازے پر تعینات فرشتوں کو معلوم

ہو' پھر بھی پوچھ رہے ہوں۔ قانون قانون ہے' لہٰذا دروازے پر دستک دینی ہوگی اور شناخت کرانی ہوگی۔ کوئی جج اپنے علم کی بنیاد پر کبھی فیصلہ نہیں دے گا۔ فیصلہ تو مقدمے کی سماعت اور شہادتوں کی بنیاد پر ہی ہو گا۔ کسی جج کو کسی واقعے کا ذاتی علم ہے تو بھی اسے مقدمہ کسی عدالت کو منتقل کرنا ہوگا اور وہاں گواہ کی حیثیت سے پیش ہونا ہوگا۔ پس قانون قانون ہے۔ "پوچھا گیا ساتھ کون ہے؟" ((قَالَ : مُحَمَّدٌ)) "حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا محمد (ﷺ)" ((قِيلَ :وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ؟قَالَ:نَعَمْ)) "پوچھا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ انہوںؑ نے فرمایا: ہاں"۔ ((قِيلَ :مرحبًا بِهٖ' فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ' فَفَتَحَ)) "اس کے بعد کہا گیا: مرحبا ہے ان کے لئے (تہنیت ہے' مبارک باد ہے' خوش آمدید ہے) کیا ہی اچھے ہیں جو لائے گئے ہیں۔ پھر سماءِ دنیا کا دروازہ کھولا گیا"۔ ((فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا فِيهَا آدَمُ)) "پھر جب میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا وہاں آدمؑ تشریف فرما ہیں"۔((فَقَالَ:هٰذَا اَبُوكَ آدَمُ' فَسَلِّمْ عَلَيْهِ' فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ)) "جبرائیل نے کہا: یہ آپؐ کے جدِّ امجد حضرت آدمؑ ہیں' پس آپؐ ان کو سلام کیجئے' تو میں نے ان کو سلام کیا۔" ((فَرَدَّ السَّلَامَ' ثُمَّ قَالَ : مَرحبًا بِالابْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ)) "انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید ہے' (تہنیت ہے) صالح بیٹے اور صالح نبی کے لئے"۔ ((ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتّٰى اَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ)) "پھر جبرائیل مجھے لے کر اور اوپر گئے یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچ گئے"۔ یہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے' ((فَاسْتَفْتَحَ' قِيلَ :مَنْ هٰذَا؟ قَالَ جِبْرِيلُ' قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟قَالَ:مُحَمَّدٌ (ﷺ) قِيلَ :وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ؟ قَالَ : نَعَمْ' قِيلَ : مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ' فَفَتَحَ)) اس ساری عبارت کا ترجمہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ((فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ' قَالَ : هٰذَا يَحْيٰى وَعِيْسٰى' فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا' فَسَلَّمْتُ' فَرَدَّا' ثُمَّ قَالَا:مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ)) "پھر جب میں (دوسرے آسمان میں) داخل ہوا تو وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ تھے اور یہ دونوں آپس

میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبریلؑ نے کہا: یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں‘ ان کو سلام کیجئے‘ تو میں نے سلام کیا‘ پھر انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید‘ مرحبا صالح بھائی اور صالح نبی کو"۔ یہاں غور کیجئے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور ﷺ کا استقبال "بیٹا" کہہ کر کیا جبکہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے "بھائی" کہہ کر خیر مقدم کیا۔ یہ اس لئے کہ حضرت آدمؑ تو کل بنی نوع انسان کے جدِ امجد ہیں‘ جبکہ حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں‘ چنانچہ وہ بیٹا کہنے کے بجائے "بھائی" کہتے ہیں۔ اسی طرح آگے حضرات یوسفؑ ‘موسیٰؑ اور ہارونؑ آپؐ کو بھائی کہیں گے اور آگے حضرت ابراہیمؑ بیٹا کہیں گے‘ کیونکہ آنحضور ﷺ ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

آگے چلئے‘ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ((ثُمَّ صَعِدَ بِی اِلَی السَّمَاءِ الثَّالِثَۃِ‘ فَاسْتَفْتَحَ‘ قِیلَ: مَنْ ھٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِیلُ‘ قِیلَ: وَمَنْ مَعَکَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ (ﷺ)‘ قِیلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَیْہِ؟ قَالَ: نَعَمْ‘ قِیلَ: مَرْحَبًا بِہٖ‘ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَاءَ‘ فَفَتَحَ‘ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا یُوسُفُ‘ قَالَ: ھٰذَا یُوسُفُ‘ فَسَلِّمْ عَلَیْہِ‘ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ‘ فَرَدَّ‘ ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ)) یعنی تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور وہی مکالمہ ہوا۔

اسی طرح چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے‘ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کا ذکر حدیث میں اس طرح ہے کہ سلام کے تبادلہ کے بعد ((فَلَمَّا جَاوَزْتُہٗ بَکٰی)) "جب میں آگے جانے لگا تو موسیٰؑ رونے لگے"۔ ((قِیلَ لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ؟)) "ان سے پوچھا گیا: آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے؟" ((قَالَ: اَبْکِی‘ لِاَنَّ

غلامًا بُعِثَ بَعدِی یدخلُ الجنۃَ مِن امّتِہٖ اکثرَ مِمَّن یدخُلُھَا مِن اُمّتِی)) "موسیٰؑ نے کہا کہ مجھے اس بات پر رونا آ رہا ہے کہ یہ جوان (محمد ﷺ) جن کی بعثت میرے بہت بعد ہوئی ہے (اس کے باوجود) ان کی امت سے جنت میں داخل ہونے والوں کی تعداد میری امت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوگی۔" وہ شفقت و الفت جو کسی نبی کو اپنی امت سے ہونی چاہئے یہ اس کا بکمال و تمام اظہار ہے۔ اسے معاذ اللہ کسی حسد پر محمول نہ کر لیجئے گا' بلکہ یہ اپنی امت کی محرومی کا احساس ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ کیفیت طاری ہوئی۔

((ثمّ صَعِدَبِی اِلَی السَّماءِ السَّابعۃِ....)) "پھر مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔" وہاں بھی داخلہ کے لئے فرشتوں سے مکالمہ ہوا۔ "اس آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ((فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاذا اِبرَاھِیمُ' قَالَ : ھٰذَا اَبُوکَ اِبرَاھیمُ' فَسَلِّمْ عَلَیہِ' فَسَلَّمْتُ عَلَیہِ' فَرَدَّ السَّلَامَ' ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا بِالْاِبنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیّ الصَّالِحِ)) "پھر جب میں داخل ہوا تو وہاں حضرت ابراہیمؑ تھے۔ جبرئیل نے کہا: یہ آپ کے جد حضرت ابراہیم ہیں' انہیں سلام کیجئے' چنانچہ میں نے انہیں سلام کیا' جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے بھی سلام کہا اور ان الفاظ سے میرا استقبال کیا: خوش آمدید صالح بیٹے اور صالح نبی کے لئے۔" ((ثُمَّ رُفِعتُ اِلٰی سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی)) "پھر مجھے اور بلند کیا گیا سدرۃ المنتہیٰ تک"۔ یہاں نوٹ کیجئے "صَعِدَبِیْ" کی جگہ "رُفِعْتُ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے' جس کا ذکر سورۃ النجم میں ہوا ہے۔

سورۃ النجم میں مشاہداتِ معراج کا ذکر

میں چاہتا ہوں کہ حدیث کے بیان کی تکمیل سے قبل ہم اس واقعہ سے متعلق سورۃ النجم کی آیات کا مطالعہ بھی کر لیں۔ سورۃ النجم کی ابتدائی آیات مشکلات القرآن میں سے ہیں اور ان کی تفسیر و تشریح میں اختلاف سلف سے چلے آ رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو

جو مشاہدات کرائے گئے اور جن کا ذکر سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں ہوا ہے' اس وقت میں ان سب سے بحث نہیں کروں گا' البتہ جس مشاہدے کا ذکر آیت نمبر ۱۱ تا ۱۸ میں آیا ہے' میں اس کا ذکر کروں گا' کیونکہ ان آیات کا تعلق تقریباً تمام مفسرین و علمائے امت کے نزدیک واقعہ معراج سے ہے۔ فرمایا: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝﴾ "جو کچھ (ﷺ) نے اپنی نگاہوں سے دیکھا اس کو ان کے دل نے جھٹلایا نہیں۔" اس کی قدرے میں قبل ازیں اشارہ کر چکا ہوں کہ ایک ہمارا مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ وسوسے بھی ہوتے ہیں کہ یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا یہ واقعتاً ایسا ہی ہے؟ جو آگ سامنے نظر آ رہی ہے وہ درحقیقت آگ ہے یا آگ کی سی صورت ہے؟ آج کل تو میں نے اس طرح کے لیمپ بنے ہوئے دیکھے ہیں کہ انسان کو ان کے اندر حقیقی انگارے دہکتے نظر آتے ہیں' ان سے انسان دھوکہ کھا سکتا ہے' حالانکہ انگاروں کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ تو ہماری آنکھ دھوکہ کھاتی ہے' لیکن نبیؐ کا جو مشاہدہ ہوتا ہے وہ آنکھ اور دل' نظر و قلب' بصارت و بصیرت کی یکجائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں فرق و تفاوت اور وسوسہ نہیں ہوتا۔ اسی حقیقت کے اظہار کے لئے نہایت فصاحت و بلاغت اور اعجاز و ایجاز کے ساتھ فرمایا: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝﴾ ـــــ

آگے فرمایا: ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝﴾ "لوگو! کیا تم ان چیزوں کے بارے میں ان سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں"۔ ان چیزوں کے بارے میں تو جھگڑا ہو سکتا ہے جو کہیں سے سنی سنائی ہوں' لیکن تم محمد (ﷺ) سے ان چیزوں کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جو وہ دیکھتے ہیں چشم سر سے اور دل کی بصیرت سے ـــ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝﴾ "اور بلاشبہ ان کا یہ مشاہدہ (پہلی بار نہیں ہوا) ایک مرتبہ پہلے بھی ہو چکا ہے"۔ موجودہ مشاہدہ ان کو کہاں ہوا؟ ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ "سدرۃ المنتہیٰ کے پاس"۔ ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝﴾ "اسی (سدرۃ المنتہیٰ) کے پاس جنت الماویٰ ہے۔" وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو اللہ کے نکوکار بندوں کا ٹھکانا بنے گی' جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ جس کے متعلق سورۃ الزمر میں فرمایا گیا: ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ

عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡہَا خٰلِدِیۡنَ ﴿ "اور جنت کے داروغہ ان (نکوکاروں) سے کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر' تم بہت خوش بخت رہے' داخل ہو جاؤ اس (جنت) میں ہمیشہ ہمیش کے لئے۔" یہاں نوٹ کر لیجئے کہ احادیث میں معراج کے موقع پر جنت کے مشاہدات کے جو احوال آئے ہیں' وہ جنت وہیں تو ہے۔ ان آیات میں ان احوال کا ذکر نہیں ہے۔

"سدرہ" عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ لفظ "منتہیٰ" انتہا سے بنا ہے' جس کا مفہوم وہ جگہ اور مقام ہے جہاں جا کر کوئی چیز ختم ہو جائے۔ یہ "سدرۃ المنتہیٰ" کیا ہے! اس کا سمجھنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اس کے متعلق میں آگے چل کر کچھ عرض کروں گا۔ قرآن مجید نے یہاں ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ ہر شخص اس اسلوب سے یہ جان لے کہ یہ میرے فہم سے بالاتر ہے۔ یہ منتہیٰ کس اعتبار سے ہے' اب اس کو سمجھنا چاہئے۔ یہ اس اعتبار سے "منتہیٰ" ہے کہ یہاں سے آگے مخلوق کا گزر نہیں ہے۔ یہ انتہا ہے۔ یہاں سے آگے حضرت جبرائیلؑ بھی نہیں جا سکتے۔ اور نوٹ کیجئے کہ اس سے آگے جانے کا کہیں محمد ﷺ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ یہ صرف ہماری شاعری میں ہے کہ حضورؐ اس سے بھی آگے گزر گئے۔ لیکن اس کا قرآن مجید میں اور احادیثِ شریفہ میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ بھی یہیں تک گئے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ اس بارے میں بھی وضاحت آئی ہے کہ وحیِ الٰہی بھی یہاں نازل ہوتی ہے اور یہاں سے فرشتے لے لیتے ہیں۔ گویا جو چیز بھی عرشِ الٰہی سے اترتی ہے' وہ بلاواسطہ اولاً یہیں نازل ہوتی ہے۔ اس سے آگے وہ حریمِ کبریا ہے جس میں مخلوق کا داخلہ ممکن نہیں ہے۔ عالمِ خلق کی کوئی شے جو کبھی اوپر آ سکتی ہے' وہ زیادہ سے زیادہ یہیں تک آ سکتی ہے' اس سے آگے نہیں جا سکتی۔ حضرت جبرائیلؑ کی رسائی بھی یہیں تک ہے۔ لہٰذا نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید نے جو ذکر کیا وہ سدرۃ المنتہیٰ کے آگے یا پار کا نہیں کیا' بلکہ فرمایا : ﴿وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی ۙ﴿۱۳﴾ عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَہٰی ﴿۱۴﴾﴾

آگے فرمایا : ﴿اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَۃَ مَا یَغۡشٰی ﴿۱۶﴾﴾ "جب کہ اس بیری کے درخت

کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوئے تھا"۔ یعنی نہ اس کو زبان ادا کر سکتی ہے' نہ انسانی زبان میں وہ حروف و الفاظ ہیں جو اس کیفیت کو بیان کر سکیں یا اس کی تعبیر کر سکیں' نہ اس کا کوئی تصور انسان کے لئے ممکن ہے۔ جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے: ((لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ)) "وہ نعمتیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں' نہ کسی کان نے سنیں' نہ کسی انسان کے دل پر کبھی ان کا خیال تک آیا"۔ اب انہیں بیان کریں تو کن الفاظ میں کریں! ان کا ابلاغ و اعلان کیسے ہو' وہ communicate کیسے ہوں! ابلاغ اور اعلان تو کسی ایسی چیز کے حوالے سے ہوتا ہے جس کا آپ کو تجربہ ہو' وہ آپ کی دید یا شنید میں آئی ہو' آپ کے ذہن میں اس کا کوئی تصور ہو' تو اس کے حوالے سے بات ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہاں اسلوب اور انداز یہ اختیار کیا گیا کہ: ﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی﴾ "جبکہ سدرہ کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوا تھا"۔ تجلیاتِ ربانی کس نوعیت اور کس کیفیت کی حامل تھیں' اسے سمجھنا انسانی ذہن کے لئے ممکن نہیں' تجلیات کا جو براہِ راست نزول ہو رہا تھا' اس ہبطِ تجلیات اور ان کے نزول کا نبی اکرم ﷺ نے مشاہدہ فرمایا۔

<u>معراج اور رؤیتِ باری تعالیٰ</u>: ہماری شاعری میں بے انتہا مبالغے ہو جایا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال جو کچھ بھی تھے بہرحال شاعر بھی تھے اور شاعری میں مبالغہ لازماً ہو جاتا ہے' لہٰذا کہتے ہیں۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عینِ ذات می نگری و تبسمی

یعنی "موسیٰ تو ایک جلوۂ صفات ہی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے ﴿وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا﴾ جبکہ آپ عینِ ذات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور تبسم فرما رہے ہیں"۔ میرے نزدیک یہ مبالغہ ہے' عینِ ذات کے مشاہدے کا ذکر نہ قرآن میں ہے' نہ حدیث میں۔ تاہم اس ضمن میں اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلا آ رہا ہے۔ یہ اختلاف سلف میں بھی ہے اور خلف میں بھی۔ لہٰذا کوئی یہ رائے رکھنا چاہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا

دیدار کیا تھا تو رکھے۔ میں نے آغاز ہی میں واضح کر دیا تھا کہ اس واقعۂ معراج کا بالکلیہ انکار کفر ہو گا' لیکن تفصیلات اور توجیہات و تاویلات کا اختلاف کفر نہیں ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شبِ معراج میں حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا' براہ راست دیدارِ الٰہی ہوا۔ لیکن زیادہ قوی رائے یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا براہ راست مشاہدہ نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "نُورٌ اَنّٰی یُرٰی ؟" "اللہ تو ایک نور ہے' اسے دیکھا کیسے جا سکتا ہے؟" آپ نور کے ذریعے سے کسی اور شے کو دیکھتے ہیں' نور تو نور ہے' اس کو کہاں دیکھا جا سکتا ہے! نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا: ﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰیO مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیO لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰیO﴾ (النجم : ۱۶-۱۸)

درمیانی آیت کے متعلق تو میں بعد میں عرض کروں گا' پہلے آخری آیت پر غور کیجئے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ محمد ﷺ نے کیا دیکھا! "بے شک انہوں نے اپنے رب کی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھا"۔ "کُبْرٰی" اسم تفضیل ہے۔ پس یہاں عظیم ترین آیاتِ ربانیہ کے مشاہدے کا ذکر ہے۔ یعنی محمد ﷺ کو رب کا نہیں' آیاتِ ربانیہ کا مشاہدہ ہوا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں معراج کے زمینی سفر کی غرض و غایت یہ بیان ہوئی کہ ﴿لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ یعنی یہ سفر اس لئے کرایا گیا کہ ہم اپنے رسول کو اپنی آیات میں سے چند ایک کا مشاہدہ کرائیں۔ وہاں "کبریٰ" نہیں آیا۔ وہ زمینی آیات ہیں' وہ بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ لیکن عظیم ترین آیاتِ الٰہیہ وہ ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں' جن کا رسول اللہ ﷺ نے مشاہدہ فرمایا۔

اس حوالے سے اگر تقابل کیا جائے تو غلط نہیں ہو گا اور اس اعتبار سے فضیلتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ثابت کی جائے تو درست ہو گی کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی ایک تجلی جو کوہ طور پر پڑی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا بھی تحمل نہ کر سکے اور یہاں تجلیاتِ ربانیہ کا سدرۃ المنتہیٰ پر براہ راست جو نزول ہو رہا تھا جناب محمد ﷺ نے انہیں بھرپور انداز میں دیکھا اور ان کا تحمل کیا۔ اس اعتبار سے فرق و تفاوت ثابت ہے۔ لیکن اگر یہاں ذاتِ

باری تعالیٰ کے دیدار کو لایا جائے تو یہ بلا سند ہے' اس کی قرآن یا حدیث میں سند موجود نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ اتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اس کی صراحت کردی جاتی یا کم از کم حدیث میں ہی اس کی تصریح ہوتی۔ ہاں بعض صحابہؓ کے یہ اقوال کہ آپؐ شبِ معراج میں دیدارِ الٰہی سے بھی مشرف ہوئے تھے' سند کے ساتھ منقول ہیں۔ لیکن عظیم اکثریت کی رائے یہی ہے کہ شبِ معراج میں حضورؐ کو دیدارِ الٰہی نہیں ہوا۔ جمہور اہلِ سُنّت کی رائے بھی یہی ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو آنکھیں عطا کی ہیں اور ان میں بصارت کی جو صلاحیت رکھی ہے وہ دیدارِ الٰہی کا تحمل نہیں کر سکتیں۔ یہ رائے رکھنے والے اصحابِ رسول ﷺ اس کے لئے قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں : ﴿ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ‌ۚ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ‏ ۝ ﴾ (الانعام : ۱۰۳) ترجمہ : "نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے' وہ نہایت باریک بیں اور باخبر ہے"۔ البتہ جمہور علماءِ امت اس بات کے قائل ہیں کہ قیامت کے روز اہلِ ایمان دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بعث بعد الموت پر ان کو وہ بصارت عطا فرمائے گا جو دیدارِ الٰہی کا تحمل کر سکے گی۔ یہ حضرات علماء اس کے لئے سورۃ القیامہ کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں : ﴿ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ‌ ۝ ﴾ (آیات ۲۲'۲۳) ترجمہ : "کچھ چہرے اس روز تر و تازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے"۔ نیز حدیث میں بھی آیا ہے کہ اہلِ جنت کے لئے سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہوا کرے گی۔ اس ضمن میں میری بھی یہی رائے ہے۔ (رویتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں بعض اہم احادیث اس کتابچے کے آخر میں "ضمیمہ" میں ملاحظہ کرلی جائیں)

"مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰى" کا مفہوم : اب میں سورۃ النجم کی آیت ۱۷ کے متعلق کچھ عرض کروں گا جس کی تشریح و توضیح میں نے مؤخر کی تھی' یعنی : ﴿ مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ ﴾ اس مقام پر بڑی عجیب کیفیت بیان کی گئی ہے اور اس آیت کو سمجھنا آسان نہیں ہے جب تک آپ چند کیفیات کو اچھی طرح جان نہ لیں۔ ہمارے

اپنے مشاہدے کے بارے میں ایک کیفیت یہ ہوتی ہے کہ مشاہدے کا شوق ہے اور وہ شوق اتنا ہے کہ حدِ ادب سے بھی تجاوز کرنا چاہتا ہے لیکن ظرف اتنا نہیں ہے کہ دیکھ سکے۔ حسرت موہانی کا ایک شعر ہے۔

غمِ آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتائیں
مرے شوق کی بلندی' مری ہمتوں کی پستی

شوق بہت بلند ہے' دیکھنا بہت کچھ چاہتے ہیں' لیکن آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں' دیکھ ہی نہیں سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیتِ قرآنیہ : ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی٥﴾ ان دو متضاد کیفیات کو نہایت بلیغ اسلوب سے بیان کر رہی ہے۔ جیسے عربی کا مقولہ ہے کہ "تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا" یعنی کسی شے کی حقیقت کو اس کی ضد (Antonym) کے حوالے سے بخوبی پہچانا جا سکتا ہے۔ جیسے رات کی حقیقت دن کے تقابل سے سمجھ میں آتی ہے اور دن کی حقیقت رات کے تقابل سے سمجھی جا سکتی ہے۔
اب علامہ اقبال کا وہ شعر ملاحظہ ہو جو ان کی نظم "ذوق و شوق" میں ہے۔ علامہ کی یہ نظم میرے نزدیک ان کے اردو کلام کی معراج (climax) ہے۔ اس نظم کے آخری حصے کا ایک شعر ہے۔

عینِ وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جُو رہی میری نگاہِ بے ادب

دونوں اعتبارات سے جو ضد ہے اسے اقبال اس شعر میں لائے ہیں۔ یعنی ایک طرف میری نگاہ میں بے ادبی تھی' اور وہ چوری چوری بھی کچھ دیکھ لینا چاہتی تھی جس کا دیکھنا ادب کے خلاف ہے۔ لیکن دوسری طرف حوصلۂ نظر نہیں تھا' لہٰذا دیکھ نہیں سکی۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب اس مشاہدے کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کریں جو مشاہدہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کر رہے ہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ مشاہدہ اللہ کا نہیں' بلکہ "اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى" کا مشاہدہ ہے۔ لیکن اس مشاہدے کی شان یہ ہے کہ نگاہ جمی رہی۔ یہ ظرف ہے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا' کہ نگاہیں چکاچوند نہیں ہوئیں۔ جہاں تیز روشنی ہو

نگاہیں اس کا تحمل نہیں کر سکتیں اور دیکھنے والا نگاہ ہٹانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لیکن وہاں حال یہ ہے کہ "مَا زَاغَ الْبَصَرُ" نگاہ کج نہیں ہوئی' ٹیڑھی نہیں ہوئی۔ جو کچھ دیکھا ہے نگاہ کو جما کر دیکھا ہے' جو مشاہدہ کیا ہے' بھرپور کیا ہے' پورے ظرفِ کامل کے ساتھ کیا ہے' پورے تحمل کے ساتھ کیا ہے' لیکن : "وَمَا طَغٰی" حد سے تجاوز نہیں کیا' بے ادبی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ "طَغٰی" ہی سے طغیانی بنا ہے' یعنی حد سے نکل جانا۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے

'طَغٰی' حد سے تجاوز کو کہتے ہیں۔ وہ چونکہ مقامِ ادب بھی ہے' لہٰذا وہاں حد سے تجاوز نہیں ہوا۔ العبدُ عبدٌ وَاِنْ ترقّٰی' وَالرَّبُّ ربٌّ وَاِن تَنَزَّل "بندہ بندہ ہی رہے گا خواہ کتنے بلند مقام تک پہنچ جائے اور رب رب ہی رہے گا خواہ کتنا ہی نزولِ اجلال فرما لے"۔ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر بھی محمد ﷺ مقامِ بندگی سے تجاوز نہیں کر رہے ہیں۔ وہاں بھی حال یہ ہے کہ : ﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی﴾ "پس (وہاں بھی) وحی پہنچائی اپنے بندے کو جو وحی پہنچانی تھی"۔ لیکن عَبدہٗ وَرَسولہٗ کے مشاہدے کی کیفیت یہ ہے کہ : ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾ "نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ ہی اس نے حد سے تجاوز کیا۔" ﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۝﴾ "بالتحقیق انہوں نے اپنے رب کی عظیم ترین آیات کا مشاہدہ کیا۔" اب ظاہر بات ہے کہ یہ آیاتِ کبریٰ ہمارے تخیل و تصوّر سے بالاتر ہیں اور انسانی زبان کے الفاظ ان کے بیان کا تحمل بھی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بھی ان کا ذکر مجمل طور پر ہی کیا گیا ہے۔

حدیثِ معراج کا تسلسل

اب ہم دوبارہ زیرِ مطالعہ حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس میں سدرۃ المنتہیٰ کی بات شروع ہوئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ سے حضرت مالک بن صعصعہؓ روایت کرتے ہیں : ((ثُمَّ رُفِعتُ اِلٰی سِدرَۃِ الْمُنْتَہٰی)) "پھر مجھے اٹھایا گیا سدرۃ المنتہیٰ تک"۔

((فاذا نَبَقُهَا مثلُ قِلَالِ هجر' واذا وَرَقُهَا مثلُ آذانِ الْفِيلَة)) اب حضور ؐ سدرۃ المنتہیٰ کی کچھ باتیں ہماری زبان میں سمجھا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ : "اس بیری کے درخت کے بیر تو علاقہ ہجر کے مٹکوں کے حجم کے تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جتنے بڑے تھے"۔((قال: هٰذِه سِدرةُ الْمُنْتَهٰى)) "(حضرت جبرائیل ؑ نے) کہا : یہ ہے سدرۃ المنتہیٰ"۔ ((فَاِذا اربعةُ انهارٍ: نَهْرانِ بَاطِنانِ' وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ)) "میں نے وہاں چار نہریں دیکھیں' دو نہریں خفیہ طور پر اور دو ظاہر طور پر بہہ رہی تھیں"۔((قلتُ مَا هٰذا یا جِبریل ؟)) میں نے پوچھا: جبرائیل! یہ کیا ہیں؟"۔ ((قال: امّا البَاطِنانِ' فنهرانِ فِی الْجَنَّةِ)) "یہ جو دو ڈھکی ہوئی نہریں جاری ہیں یہ تو جنت کی نہریں ہیں (ایک کوثر اور دوسری سلسبیل)"۔ ((وَامّا الظَّاهِران' فَالنِّيلُ وَالفُرَاتُ)) "اور یہ جو ظاہری نہریں جاری ہیں یہ نیل اور فرات ہیں"۔ یعنی جن کا مادی پرتو ہمیں دنیا میں نظر آتا ہے۔((ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ)) "پھر بیت المعمور میرے قریب لایا گیا"۔ بیت المعمور درحقیقت ساتویں آسمان پر اللہ تعالیٰ کا اصل گھر ہے' جس کا ظل اور سایہ اس دنیا میں خانہ کعبہ ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جبریل ؑ نے اس کے بارے میں بتایا :((يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَومٍ سَبْعُونَ اَلْفَ مَلَكٍ' اِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا اِلَيْهِ آخِرُ مَا عَلَيْهِم)) "اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جب ایک بار اس سے نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کے داخلے کی نوبت نہیں آتی"۔ اسی طریقے سے فرشتے بیت الحرام میں خانہ کعبہ کا بھی طواف کرتے ہیں۔ پھر جان لیجئے کہ یہ ہماری نگاہوں سے مخفی عالمِ غیب کی ایک دنیا ہے۔ یقیناً اس کا ایک وجود ہے' چاہے وہ ہمیں نظر نہ آئے۔ (واضح رہے کہ بخاری و مسلم کی بعض روایات میں بیت المعمور کا ذکر سدرۃ المنتہیٰ سے مقدم ہے)((ثُمَّ اُتِيتُ بِاِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ' وَاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ' وَاِنَاءٍ مِنْ عَسَلٍ)) "پھر میرے سامنے تین برتن لائے گئے' ایک شراب کا' ایک دودھ کا اور ایک شہد کا"۔ ((فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ)) "میں نے دودھ والا پیالہ اٹھا لیا"۔ ((قَال: هِيَ الفِطرةُ الَّتِي انتَ عَلَيها وَاُمَّتُكَ)) "حضرت جبرائیل نے کہا: یہی

مطابقِ فطرت ہے' جس پر آپؐ بھی ہیں اور آپؐ کی امت بھی"۔ یعنی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے انتخاب کی توثیق کی۔ یہی بات اس آیت میں فرمائی گئی ہے ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اسی فطرتِ انسانی کا انتخاب فرمایا جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

اُمت کے لئے معراج کے تحفے: نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا: ((ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَیَّ الصَّلَاۃُ خَمْسِیْنَ صَلَاۃً کُلَّ یَوْمٍ)) "پھر مجھ پر (اور میری امت پر) پچاس نمازیں یومیہ فرض کی گئیں"۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مجھے اس موقع پر تین چیزیں عطا کی گئیں: ایک تو پچاس نمازیں ایک دن رات میں فرض ہوئیں اور دوسری سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۝ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝﴾

اور تیسری چیز یہ کہ آپؐ کی امت کے گناہ کبیرہ بھی بغیر توبہ کے معاف ہو سکیں گے۔ یہ خصوصی تحفے ہیں جو بارگاہِ رب العزت سے اس مقام پر شبِ معراج میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو امت کے لئے عطا ہوئے۔ اس میں اولین صلوٰۃ ہے۔ یہ معراج میں فرض ہوئی لہٰذا اس کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ((اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ)) یعنی نماز اہلِ ایمان کے لئے بمنزلۂ معراج ہے۔

پھر اسی روایت میں آگے تفصیل آ رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب واپسی کے

لئے آئے اور حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا : "یہ پچاس نمازیں بہت زیادہ ہیں' مجھے لوگوں کا تجربہ ہے' آپ کی امت اس کا تحمل نہ کر سکے گی' واپس جایئے اور تخفیف کے لئے درخواست کیجئے"۔ حضور ﷺ واپس گئے تو دس نمازیں معاف ہو گئیں' چالیس رہ گئیں۔ پھر آپ' حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تو انہوں نے آپؐ سے پھر وہی بات کہی اور آپ کو واپس بھیجا۔ پھر گئے تو تیس ہو گئیں' اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے بھیجنے پر پھر گئے تو بیس ہو گئیں' پھر تشریف لے گئے تو دس رہ گئیں۔ اس پر بھی حضرت موسیٰؑ نے وہی بات کہی۔ آپ پھر گئے تو اب پانچ رہ گئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اس پر بھی کہا کہ پھر واپس جایئے اور تخفیف کے لئے درخواست کیجئے' پانچ نمازیں بھی آپؐ کی اُمت کے لئے بھاری ہوں گی۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے شرم آتی ہے' اتنی مرتبہ جا چکا ہوں کہ اب مزید جانے میں حیا محسوس کر رہا ہوں' لہٰذا میں اسی پر راضی ہوں اور اس معاملے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ "جب میں موسیٰؑ کے پاس سے واپسی کے لئے روانہ ہوا تو ایک ندا کرنے والے کی ندا آئی کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) "میں نے اپنے فرض کو نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے"۔ ایک دوسری متفق علیہ روایت کے آخر میں اس کا ذکر ہے کہ "اللہ کے ہاں یہ پانچ نمازیں اجر و ثواب کے حساب سے پچاس نمازوں کے مساوی ہیں' اللہ تعالیٰ کے ہاں قول بدلا نہیں جاتا"۔۔۔ میں نے بقیہ حدیث کی ترجمانی اپنے الفاظ میں کر دی ہے۔ اب اس کے آخری حصے کا متن بھی ملاحظہ کر لیجئے :

((فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوسٰی' فَقَالَ : بِمَ اُمِرْتَ؟ قُلْتُ : اُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ' قَالَ : اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ' وَاِنِّيْ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ' وَعَالَجْتُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ' فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ' فَاسْاَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ' قَالَ : سَئَلْتُ رَبِّيْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ وَلٰكِنْ اَرْضٰى وَاُسَلِّمُ' قَالَ : فَلَمَّا

جـاوزتُ نـادٰی مُنـادٍ : اَمْضَیْتُ فَرِیضَتِی وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِی))

اس متفق علیہ روایت کے علاوہ بھی واقعہ معراج کے متعلق کثیر روایات موجود ہیں۔ آنحضور ﷺ کو جنت و دوزخ کے جو مشاہدات کرائے گئے وہ دوسری روایات میں مذکور ہیں' لیکن اسناد کے اعتبار سے کسی دوسری روایت کا وہ درجہ اور مرتبہ نہیں ہے جو اس روایت کا ہے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ پھر حضور ﷺ واپس مسجد اقصیٰ تشریف لائے اور وہاں سے براق پر مکہ مکرمہ مراجعت ہوئی۔ میں چند دوسری روایات کی روشنی میں عرض کر چکا ہوں کہ اس پورے سفر معراج کے دوران وقت بالکل نہیں گزرا۔ گویا وقت کہیں روک دیا گیا ہے اور پوری کائنات کو کہیں تھام دیا گیا ہے۔ یہ بات تو وہ ہے جو آج سے پہلے بھی سمجھ میں آ سکتی تھی کہ شاید کسی ایک وقت پر پوری کائنات کو روک دیا گیا ہو اور کسی کے لئے بھی وقت بالکل نہ گزرا ہو۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اِس وقت تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ سب کے لئے وقت گزر رہا ہو لیکن صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے نہ گزرے۔ تاہم یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس پورے سفر کے لئے وقت کی رفتار کو روک دیا گیا ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؏ "آگے بڑھو یا وقت کی رفتار روک دو!"----تو یہ وقت کی رفتار محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے لئے روک دی گئی تھی۔ واللہ اعلم!!

مشرکین کا ردِّ عمل

اس واقعہ کو نبی اکرم ﷺ نے جب ایک مجمع میں سنایا تو اس پر جو ردِ عمل اور جو ہنگامہ ہونا تھا' وہ ہوا۔ یہاں تک بھی ہوا کہ بعض مومنینِ صادقین متزلزل' متردد اور متذبذب ہو گئے۔ مشرکینِ مکہ نے بغلیں بجائیں کہ اب ہمیں اپنے پروپیگنڈے کے لئے بڑا سنہری موقع مل گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تو یہ شک ہی کی بات تھی کہ (نقلِ کفر'

کفر نہ باشد) ان کو کچھ خللِ دماغ کا عارضہ ہے' اب تو ثابت ہو گیا' اب تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ آپ حضرات خود اس کا اندازہ کیجئے کہ یہ واقعہ مکہ میں مجمع عام میں بیان کیا جا رہا ہے جہاں منکرین نبوت کی عظیم ترین اکثریت ہے' وہاں کیسی ہنگامہ آرائی ہوئی ہو گی! پھر مشرکین کی جانب سے امتحانی سوالات کئے گئے : اچھا یہ بتایئے کہ مسجدِ اقصیٰ کے ستون کتنے ہیں؟ وہاں کی کھڑکیاں کیسی ہیں؟ فرش کیسا ہے؟ وغیرہ وغیرہ---- حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں گھبرا گیا۔ اس لئے کہ ایسی تفصیلات کس کو یاد رہتی ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ میں جا کر حضورؐ ستون تو نہیں گنتے رہے تھے۔ لیکن جب ایسے سوالات کئے جا رہے تھے تو عین ممکن تھا کہ مجمع میں تالی پٹ جائے' مگر اچانک اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے سامنے مسجد اقصیٰ کو ظاہر کر دیا۔ اب آپؐ دیکھ دیکھ کر ان کے اس طرح کے سوالات کے جوابات دیتے رہے اور لوگ دنگ ہوتے رہے۔ بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت موجود ہے کہ :

عَنْ جَابِرٍ ؓ انَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : ((لَمَّا كَذَّبَنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِي بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ)) (متفق علیہ)

"حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا : "جب مجھ کو قریش نے (واقعہ معراج پر) جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر فرما دیا۔ میں نے ان کو اس کی نشانیاں بتانی شروع کر دیں اور میں ان کو دیکھتا جاتا تھا"۔

میں نے عرض کیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ کی طرف سے بے شمار مشاہدات کرائے گئے۔ جنت آپؐ کے جنت سامنے لے آئی جاتی ہے' جہنم سامنے لے آئی جاتی ہے۔ بیت المقدس سامنے لے آیا جاتا ہے اور مسجد اقصیٰ کے مشاہدے سے حضور ﷺ ہر سوال کا جواب دیتے ہیں۔

ابوبکر صدیقؓ کی تصدیق

اسی ضمن میں وہ واقعہ آتا ہے کہ چند لوگ دوڑے دوڑے حضرت ابوبکر ؓ کے پاس گئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ پالا ہم مارلیں تو پھر ہماری جیت ہے' اگر ہم ابوبکرؓ کو متزلزل کردیں تو پھر گویا ہمارے لئے کوئی اور مسئلہ نہیں رہے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی یہ سن کر ایک مرتبہ تو جھرجھری لی' لیکن آنے والوں سے صرف ایک سوال کیا کہ "کیا واقعی وہ' یہ فرما رہے ہیں؟" لوگوں نے خوش ہو کر تالیاں بجاتے ہوئے کہا: ہاں ہاں وہ یہ کہہ رہے ہیں' چلو ہم تمہیں اپنے ساتھ لے چلتے ہیں' اپنے کانوں سے سن لو۔ انہوں نے سمجھا کہ ہمارا وار کارگر ہوا ہے' واقعی کوئی تزلزل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر ؓ نے اس سوال کے بعد یہ جواب دیا: "لوگو! اگر آپ' کہہ رہے ہیں تو صدفی صد درست کہہ رہے ہیں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ روزانہ فرشتہ آپ' کے پاس آتا ہے' اور اگر ایک مرتبہ آپ' کو آسمان پر لے جایا گیا تو یہ کون سی بڑی شے ہے؟ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں"۔ یہ دن ہے کہ جس دن سے بارگاہ رسالت' سے ابوبکرؓ کو صدیق کا خطاب عطا ہوا اور اسی روز سے ابوبکر "صِدّیقِ اکبر" شمار ہوتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

تو یہ تھا وہ سفرِ معراج' جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو ہفت آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ پر موجود اپنی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔

اَقُولُ قَولِی ھٰذا واستغفرُ اللّٰہ لِی وَلَکُم
وَلِسَائِرِ المُسْلِمِینَ وَالمُسْلِمَات○○



ضمیمہ

واقعۂ معراج سے متعلّق

چند احادیثِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ

ذیل میں چند ایسی احادیث پیش کی جارہی ہیں جن کا براہ راست یا بالواسطہ حوالہ اس کتابچے میں آیا ہے۔

رویت باری تعالیٰ کے متعلق احادیث :

(۱) عن جریر بن عبد اللّٰہ ﷺ قال قال رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ((اِنّکم سترَون ربّکُم عیانًا)) وفی روایۃ قال: کنّا جلوسًا عند رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فنظر الَی القَمرِ لیلۃَ البدرِ فقال: ((اِنّکم سترَون ربّکُم کمَا ترَون ھٰذَا القَمرَ، ولا تضامون فی رویتہٖ، فاِنِ استَطعتُم اَن لاّ تُغلَبُوا عَن صلٰوۃٍ قبلَ طُلوعِ الشّمسِ وقبلَ غُروبِھا فَافعَلُوا)) ثم قرأَ : ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ﴾

(رواہ البخاری ومسلم والترمذی وابوداوٗد)

جریر بن عبد اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم اپنے پروردگار کو عیاں دیکھو گے"۔ایک روایت میں ہے : ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا : "تم اپنے رب کی طرف دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور اس کے دیکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے۔ اگر تم اس بات کی طاقت رکھو کہ تم سورج نکلنے اور غروب ہونے

سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ کر دیئے جاؤ تو ایسا ضرور کرو۔ پھر یہ آیت پڑھی : "اور تسبیح بیان کرو اپنے پروردگار کی سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے"۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

(۲) عن ابی ذر الغفاری ﷺ قال: سالتُ رسولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: هل رأیتَ ربّکَ؟ قال ((نورٌ اَنّٰی أراه؟)) (رواہ مسلم)

حضرت ابوذر غفاری ﷺ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "وہ تو نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھتا؟"۔ (مسلم)

(۳) عن مسروق قال: کنتُ متکئًا عند عائشة (رضی اللہ عنہا) فقالت: یا ابا عائشة، ثلاثٌ مَن تکلّم بواحدةٍ منهن فقد اَعْظَمَ علی اللّٰه الفِریَةَ، قلتُ: ما هنّ؟ قالت: مَن زعَم انَّ محمّدًا صلّی اللّٰهُ علیه وسلّم رَآی ربّهٗ فقد اَعْظَمَ علی اللّٰهِ الفِریَةَ، قال: وکنتُ متکئًا فجلستُ فقلتُ: یا امَّ المُؤمنین، اَنْظِرِینی وَلا تَعْجَلِینی، اَلَمْ یَقُلِ اللّٰهُ عزّوجلّ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ﴾؟ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی﴾ فقالت: انَا اوّلُ هٰذهِ الاُمّةِ سأل عن ذٰلک رسولَ اللّٰهِ ﷺ فقال: ((انّما هو جبریلُ، لَم اَرَهُ علٰی صورتِهِ الّتی خلَق علیها غیرَ هاتَین المَرّتَین، رأیتُهٗ منهبِطًا مِنَ السّماءِ، سادًّا عِظَمُ خَلْقِهٖ ما بینَ السّماءِ الی الارضِ)) فقالت: اَوَلَم تسمَعْ انّ اللّٰه یقول: ﴿لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ اَوَلَم تسمَعْ انّ اللّٰهَ یقول: ﴿وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ

بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ اِنَّهٗ عَلِىٌّ حَكِيْمٌ﴾
قالت : ومن زَعم انّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ كتَمَ شيئًا مِنْ
كتابِ اللّٰهِ فقد اَعْظَمَ علىَ اللّٰهِ الفِريةَ' واللّٰه يقولُ:
﴿يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ' وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ قالت: ومن زعم انّه يُخْبِرُ بما يكون
فى غدٍ فقد اَعْظَمَ على اللّٰه الفِريةَ' واللّٰهُ يقول: ﴿قُلْ لَّا
يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾
(رواه البخارى ومسلم والترمذى)

مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ : میں حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس تکیہ لگائے بیٹھا تھا کہ انہوں نے فرمایا : "اے ابو عائشہ (مسروقؒ کی کنیت) تین باتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی ان میں سے کوئی ایک بات بھی کہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا"۔ میں نے کہا : وہ کیا ہیں؟ (حضرت عائشہؓ نے) فرمایا: "جس کسی کا یہ خیال ہو کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا"۔ مسروقؒ کہتے ہیں: میں تکیہ لگائے ہوئے تھا' (یہ سن کر) میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہا: ام المومنین ٹھہریئے' ذرا میری بات تو سنئے اور جلدی نہ کیجئے' کیا اللہ عزوجل نے یہ نہیں فرمایا : (ترجمہ) "اور اس نے اس کو روشن افق پر دیکھا ہے"۔ "اور ایک مرتبہ پھر اس نے (سدرۃ المنتہیٰ کے پاس) اس کو اترتے دیکھا"۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا : "اس امت میں سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا : "یہ تو جبریلؑ (کا ذکر) ہے۔ میں نے اسے ان کو ان کی اصل صورت میں جس پر انہیں پیدا کیا گیا ہے' ان دو مواقع کے سوا کبھی نہیں دیکھا۔ (ان دو مواقع پر) میں نے انہیں آسمان سے نیچے اترتے دیکھا' اور ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی"۔ پھر (حضرت عائشہؓ نے) فرمایا : "کیا تم نے اللہ تعالیٰ

کا یہ فرمان نہیں سنا؟ (ترجمہ) "نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔وہ بڑا باریک بیں اور باخبر ہے"۔اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی نہیں سنا؟ "اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر' یا پردے کے پیچھے سے' یا یہ کہ ایک فرشتہ بھیجے اور وہ اس پر اللہ کے اِذن سے وحی کرے جو کچھ اللہ چاہے' یقیناً وہ بلند مرتبت اور صاحبِ حکمت ہے"۔

(حضرت عائشہؓ نے مزید) فرمایا : "اور جس کسی کا یہ خیال ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ میں سے کوئی بات چھپائی ہے تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ گھڑا' کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے : (ترجمہ) "اے رسولؐ' جو کچھ آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے نازل ہوا ہے' وہ لوگوں تک پہنچا دیجئے' اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا"۔ پھر فرمایا : "اور جو کوئی یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ آنے والے کل کے حالات بتا سکتا ہے اس نے بھی اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (ترجمہ) "کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا"۔

(بخاری' مسلم' ترمذی)

(۴) حدّثنا الشَّیبانِی قال: سالتُ زِرَّبنَ حُبَیشٍ عَن قولِ اللّٰہ عزّوجلّ ﴿ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴾ قال : "اَخْبَرَنِی ابنُ مسعودٍ اَنَّ النبیَّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم رآی جبریلَ لہٗ سِتُّمِائَۃِ جَنَاحٍ" (رواہ مسلم)

ہمیں شیبانیؒ نے بتایا کہ میں نے زِر بن حبیشؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا کہ (ترجمہ) "یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا"۔ تو انہوں نے کہا : "مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے"۔ (صحیح مسلم)

معراج سے متعلق انس بن مالکؓ کی روایت سے ایک اقتباس

.... قال (ﷺ) : فرجعتُ الیٰ موسیٰ فأخبرتُہ' قال: راجِعْ ربّکَ' فانّ اُمّتکَ لاتُطیقُ ذٰلکَ' قال: فراجعتُ ربّی' فقال: ھی خمسٌ' وھی خمسُون' لا یُبَدَّلُ القولُ لدیّ' قال: فرجعتُ الیٰ موسیٰ' فقال: راجِعْ ربّکَ' فقلتُ: قد استحییتُ مِن ربّی.... متفق علیہ

.... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پھر موسیٰ کے پاس آیا اور انہیں اس کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے کہا: "اپنے رب کے پاس واپس جایئے' کیونکہ آپؐ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی"۔ آپؐ نے فرمایا: "میں پھر اپنے رب کے پاس واپس پلٹا' تو رب تعالیٰ نے (نمازوں کی تعداد پانچ معین کرتے ہوئے) فرمایا: "یہ (اگرچہ) پانچ ہیں' مگر (ثواب کے لحاظ سے) پچاس ہی ہیں' میرے ہاں قول تبدیل نہیں ہوا کرتا"۔ میں پھر موسیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے پھر مجھے اپنے رب کے پاس واپس جانے کو کہا۔ مگر میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے.....

سدرۃ المنتہیٰ کی کیفیت اور معراج کے تحفوں سے متعلق

ابن مسعودؓ کی حدیث

عن عبداللّٰہ قال: لمّا اُسْرِیَ برسولِ اللّٰہ ﷺ انْتُھِیَ بہ الیٰ سدرۃِ المنتھیٰ' وھی فِی السّماءِ السّادسۃِ' الیھا یَنتھِی ما یُعْرَجُ بہ من الارضِ فیُقْبَضُ منھا' والیھا یَنْتھِی مَا یُھْبَطُ بہ مِنْ فوقِھا فیُقْبَضُ منھا' قال: ﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی﴾ قال: فَرَاشٌ من ذَھَبٍ' قال:

فأُعطِيَ رسولُ اللّٰه ﷺ ثلاثًا : أُعْطِيَ الصَّلوٰتِ الخمسَ ' وأُعطِيَ خواتيمَ سُورةِ البقرةِ ' وغُفِرَ لِمَن لا يُشْرِكُ باللّٰهِ مِن امّتهِ شيئًا المُقحِمَاتُ (رواه مسلم والنسائی)

"عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت (سفر معراج پر) لے جایا گیا تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا اور سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ سدرہ تک پہنچتی ہے اور وہاں سے لے لی جاتی ہے اور اوپر سے جو چیز اتاری جاتی ہے وہ بھی یہیں تک آتی ہے اور یہاں سے لے لی جاتی ہے۔ اور سدرہ کے متعلق انہوں نے اس آیت کا حوالہ دیا : ﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۝﴾ اور کہا کہ وہ سونے کے پروانے ہیں۔ اور (سدرۃ المنتہیٰ پر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں دی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں ' (۲) سورۃ البقرہ کی آخری آیات اور (۳) آپ کی امت میں سے ہر اس شخص کے کبیرہ گناہ بھی معاف کر دیئے گئے جس نے اللہ کے ساتھ کسی نوع کا شرک نہ کیا ہو۔



مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاھور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان —— اور —— **سرچشمۂ یقین**

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے —— اور —— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ھے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ — اور — **غلبۂ دینِ حق** کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ